سورۂ

صٓ

۳۸۔ ص

نام سورہ کا آغاز حرف 'ص' سے ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام '**ص**'(صاد) ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبوت کے آٹھ دس سال بعد نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون تذکیر ہے اس پہلو سے کہ اللہ کی طرف رجوع اور انابت کی کیفیت پیدا ہوجائے، چنانچہ اس میں انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کے اس پہلو کو نمایاں کیا گیا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۱۱ تمہیدی آیات ہیں، جن میں قرآن کے کتابِ تذکیر ہونے کے پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے خبردار کیا گیا ہے کہ جو لوگ اس تذکیر کا اثر قبول نہیں کریں گے، وہ اپنے آپ کو بُرے انجام تک پہنچائیں گے۔

آیت ۱۲ تا ۱۶ میں مختصراً ان قوموں کے انجام سے باخبر کیا گیا ہے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا۔

آیت ۱۷ تا ۴۸ میں انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کے وہ پہلو پیش کئے گئے ہیں، جو رجوع و انابت کی بہترین مثال ہیں۔

آیت ۴۹ تا ۶۴ میں اللہ سے ڈرنے والوں اور اس سے سرکشی کرنے والوں کا الگ الگ اخروی انجام بیان ہوا ہے۔

آیت ۶۵ تا ۸۵ میں نبی ﷺ کے نذیر (خبردار کرنے والا) ہونے کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے منکرین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ یاد رکھیں، ان کے تکبر کا بھی وہی نتیجہ نکلے گا جو ابلیس کے تکبر کا نکلا۔

آیت ۸۶ تا ۸۸ سورہ کی اختتامی آیات ہیں، جن میں پیغمبر کی مخلصانہ شخصیت، قرآن کی نصیحت بھری تعلیم اور اس کی دی ہوئی خبر کے لازماً وقوع میں آنے کی طرف اشارات کئے گئے ہیں۔

سُوْرَةُ صٓ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ ۝١

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ عِزَّةٍ وَّشِقَاقٍ ۝٢

كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ فَنَادَوْا وَّلَاتَ حِيْنَ مَنَاصٍ ۝٣

وَعَجِبُوْا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ ۡ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ
كَذَّابٌ ۝٤

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ ۝٥

وَانْطَلَقَ الْمَلَاُ مِنْهُمْ اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا
لَشَيْءٌ يُّرَادُ ۝٦

مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْاٰخِرَةِ ۚ اِنْ هٰذَآ اِلَّا
اخْتِلَاقٌ ۝٧

ءَاُنْزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِنْ بَيْنِنَا ۭ بَلْ هُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ
ذِكْرِيْ ۚ بَلْ لَّمَّا يَذُوْقُوْا عَذَابِ ۝٨

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّكَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ ۝٩

اَمْ لَهُمْ مُّلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۣ فَلْيَرْتَقُوْا
فِي الْاَسْبَابِ ۝١٠

۳۸۔ سُوْرَۃُ ص

آیات: ۸۸

اللہ رحمٰن و رحیم کے نام سے

[۱] صاد ۱۔ یاددہانی سے بھرے قرآن کی قسم ۲۔ (یہ اللہ کا نازل کیا ہوا ہے)۔

[۲] مگر انکار کرنے والے تکبر اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں۔ ۳۔

[۳] ان سے پہلے ہم کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں۔ وہ اس وقت چیخ اٹھے جب بچنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی تھی۔ ۴۔

[۴] ان لوگوں کو اس بات پر تعجب ہوا کہ ان کے پاس ان ہی میں سے ایک خبردار کرنے والا آ گیا۔ اور کافروں نے کہا یہ جادوگر ہے جھوٹا۔

[۵] کیا اس نے تمام معبودوں کی جگہ ایک معبود بنا ڈالا؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ ۵۔

[۶] ان کے سردار نکل کھڑے ہوئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ اس بات سے (جو یہ شخص کہہ رہا ہے) مطلوب کچھ اور ہی ہے۔ ۶۔

[۷] یہ بات ہم نے گزرے ہوئے مذہب والوں میں نہیں سنی ۷۔ یہ محض ایک من گھڑت بات ہے۔

[۸] کیا ہمارے درمیان اسی شخص پر یاددہانی نازل کی گئی ۸۔! اصل بات یہ ہے کہ یہ لوگ میری یاددہانی کے بارے میں شک میں مبتلا ہیں۔ انہوں نے ابھی میرے عذاب کا مزا نہیں چکھا۔ ۹۔

[۹] کیا تمہارے غالب اور فیاض رب کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں؟ ۱۰۔

[۱۰] یا یہ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی موجودات پر اقتدار رکھتے ہیں؟ ایسا ہے تو وہ آسمانوں میں چڑھ جائیں۔ ۱۱۔

ا۔ یہ حروف مقطعات میں سے ہے۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ا، سورۂ یونس نوٹ ا۔ اور سورۂ عنکوبت نوٹ ا۔

اس سورۂ میں 'ص' کا اشارہ صافنات (گھوڑے) کی طرف ہے۔ یہ لفظ آیت ۳۱ میں حضرت سلیمان کے گھوڑوں کیلئے استعمال ہوا ہے۔ جو ایک امتیازی لفظ (Significant word) ہے یہ حروف جن سورتوں کے آغاز میں آئے ہیں وہ ان سورتوں کے ساتھ نہ صرف گہری مناسبت رکھتے ہیں بلکہ صوتی لحاظ سے بھی ان سے ہم آہنگ ہیں، جن کی وجہ سے کلام میں بڑی تاثیر پیدا ہوگئی ہے۔ یہ حروف اپنی اپنی جگہ اس طرح موزوں ہورہے ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا چاہے تو یہ موزونیت اور یہ صوتی تاثیر باقی نہیں رہے گی۔ مثال کے طور پر آیت 'ص' وَالْقُرآنِ ذِی الذِّکْرِ میں 'ص' کی جگہ 'ق' رکھا جائے اور سورۂ 'ق' کی پہلی آیت 'ق' وَالْقُرْآنِ الْمَجِیدِ میں 'ق' کی جگہ 'ص' رکھا جائے تو پڑھنے میں تکلف بھی محسوس ہوگا اور موزونیت بھی نہیں رہے گی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ قرآن معجزانہ کلام ہے۔ جس کا ایک حرف بھی دوسرے حرف سے بدلا نہیں جاسکتا۔ پھر یہ حروف متعلقہ آیتوں کے ساتھ اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ اگر کوئی شخص ان کو ساقط کر کے آیتوں کو پڑھنا چاہے مثلاً 'ص' وَالْقُرْآنِ ذِی الذِّکْرِ کی جگہ "وَالْقُرآنِ ذِی الذِّکْرِ" سے سورہ کا آغاز کرنا چاہے تو اسے بڑا خلا محسوس ہوگا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حروف مقطعات قرآن میں یونہی نہیں آئے ہیں، بلکہ وہ قرآن کی معجزانہ شان کو ظاہر کرتے ہیں۔

۲۔ قرآن کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ وہ یاددہانی سے لبریز ہے۔ یاددہانی اس بات کی کہ اللہ ہی انسان کا رب ہے، اس بات کی بھی کہ جزائے عمل ایک حقیقت ہے، اس بات کی بھی کہ رسولوں کو جھٹلانے والے برے انجام سے دوچار ہوئے، اس بات کی بھی کہ تمام آسمانی کتابوں کی تعلیم خدائے واحد کی بندگی اور صلاح وتقویٰ کی تعلیم تھی، نیز اس سبق کی بھی جو اول روز حضرت آدم کو پڑھایا گیا تھا کہ شیطان انسان کا دشمن ہے اس کی پر فریب باتوں میں نہ آنا۔

قرآن کی یہ تذکیر حق وصداقت پر مبنی ہے اور اپنے اندر کمال درجہ کی تاثیر رکھتی ہے اور اس کی یہ امتیازی شان اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے۔

۳۔ یعنی اللہ نے یہ تذکیر سے لبریز کتاب اس لئے نازل فرمائی تاکہ لوگ یاددہانی حاصل کریں، مگر یہ منکرین اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کررہے ہیں۔ اور سبق حاصل نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ گھمنڈ اور ہٹ دھرمی میں مبتلا ہیں۔ ایک طرف نفس کا غرور انہیں قبولِ حق سے روکے ہوئے ہے اور دوسری طرف تعصب۔ اور یہی حال موجودہ دور کے منکرین قرآن کا بھی ہے۔ وہ قرآن کی تعلیم سے واقف ہونے کے باوجود اس لئے ٹس سے مس نہیں ہوتے کہ اس کی تعلیم کو قبول کرنے میں وہ اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ اور مذہبی تعصب بھی ایک ایسے دین کو قبول کرنے میں مانع ہوتا ہے جو ان کے اپنے فرقہ کا دین نہیں ہے۔

۴۔ یعنی ان ہلاک شدہ قوموں کا حال یہ رہا کہ پہلے تو انہوں نے نصیحت کو سُنی اَن سُنی کردیا، لیکن جب عذاب نمودار ہوا تو لگے فریاد کرنے مگر مہلت ختم ہوجانے کے بعد وہ عذاب سے کہاں بچ سکتے تھے۔

۵۔ یعنی تمام معبودوں کو باطل اور صرف ایک اللہ کو معبودِ حقیقی قرار دیا۔ مشرکین کو اس بات پر تعجب ہوتا ہے کہ خدا ایک کیسے ہوسکتا ہے! خدا تو بہت ہونے چاہئیں کم از کم تین اور زیادہ سے زیادہ ہزاروں، حالانکہ عقل میں نہ آنے والی بات متعدد خداؤں کا تصور ہی ہے۔

۶۔ یہ تصویر ہے پیغمبر کے پاس سے سرداروں کے نکل کھڑے ہونے کی، اپنے ساتھیوں سے یہ کہتے ہوئے کہ وہ آپ کے پاس سے ہٹ جائیں اور اپنے معبودوں پر جمے رہیں۔ کیونکہ بظاہر تو یہ شخص اللہ کو واحد معبود ماننے کی دعوت دے رہا ہے لیکن مقصد کچھ اور ہی ہے۔ یعنی اپنی قیادت کا سکہ جمانا۔

۷۔ یعنی ہمارا جو مذہب گزرے ہوئے لوگوں سے چلا آ رہا ہے وہ یہی مشرکانہ مذہب ہے۔اللہ کو معبودِ واحد قرار دینے کی بات تو ہم نے ان لوگوں سے نہیں سنی۔

مشرکین کی یہ بات سراسر غلط تھی۔ کیونکہ توحید کا واضح ثبوت خانۂ کعبہ تھا، جس کی تعمیر حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام نے کی تھی۔ اور قریش ان ہی کی نسل سے تھے۔اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی توحید کو ماننے والے کچھ نہ کچھ لوگ موجود رہے ہیں۔

۸۔ یعنی اللہ کو اگر کتاب نازل کرنا تھی تو اس نے ہمارے درمیان سے اسی شخص کا انتخاب کیوں کیا اور بڑے بڑے سرداروں کو کیوں چھوڑ دیا؟

۹۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بیان ہے کہ ان لوگوں کو اصلاً اس بات کا یقین ہی نہیں ہو رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی یاددہانی (کتاب) نازل ہو سکتی ہے۔اور جب دلائل وشواہد کے باوجود یہ شک میں مبتلا ہیں تو ان کا یہ شک اسی وقت رفع ہوگا جب وہ عذاب کی لپیٹ میں آ جائیں گے۔

۱۰۔ یہ ان کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ ہمارے درمیان سے اس شخص ہی کو رسالت کیلئے کیوں منتخب کیا گیا۔فرمایا کیا اللہ کی رحمت کے خزانے ان کے پاس ہیں کہ اللہ ان کی مرضی کے مطابق منصبِ رسالت کیلئے کسی کا انتخاب کرے، اگر واقعہ یہ نہیں ہے اور اللہ کے رحمت کے خزانے اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں تو پھر وہ اپنی رحمت سے جس کو بھی نوازے، کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے؟ وہ غالب ہے اس لئے اس کا ہر فیصلہ نافذ ہو کر رہتا ہے اور اس میں کسی کی مجال نہیں کہ مداخلت کر سکے۔اور وہ فیاض ہے اس لئے اپنے جس بندے کو چاہتا ہے اپنی بخششوں سے مالا مال کر دیتا ہے۔

۱۱۔ یعنی اگر آسمان اور زمین کا اقتدار ان کو حاصل ہے تو یہ آسمان میں چڑھ کر جاتے کیوں نہیں؟ اور جو وحی وہاں سے اے پیغمبر تم پر نازل ہو رہی ہے اس کو روکتے کیوں نہیں؟ اگر یہ باتیں ان کے بس میں نہیں ہیں۔اور ظاہر ہے کہ نہیں ہیں۔تو پھر اللہ کے اس فیصلہ کے مقابلہ میں جو اس نے منصب رسالت کے سلسلہ میں فرمایا ہے ان کے غرور اور گھمنڈ میں مبتلا ہونے کا کیا مطلب؟

(اے نبی!) ان کی باتوں پر صبر کرو اور ہمارے
بندے داوٗد کا حال بیان کرو جو قوت والا تھا، وہ اللہ
کی طرف بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔ (القرآن)

جُندٌ مَّا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ مِّنَ الْأَحْزَابِ ﴿١١﴾

۱۱ یہ (کافر) گروہوں میں سے ایک لشکر ہے، جو اسی جگہ شکست کھائے گا۔ ۱۲؎

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ ذُو الْأَوْتَادِ ﴿١٢﴾

۱۲ ان سے پہلے قومِ نوح اور عاد اور لشکروں والے فرعون نے جھٹلایا تھا۔

وَثَمُودُ وَقَوْمُ لُوطٍ وَأَصْحَابُ لْـَٔيْكَةِ ۚ أُولَٰئِكَ الْأَحْزَابُ ﴿١٣﴾

۱۳ اور ثمود اور قوم لوط اور اَیکہ والوں نے بھی ۱۳؎۔ یہ وہ گروہ تھے۔

إِن كُلٌّ إِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ﴿١٤﴾

۱۴ جن میں سے ہر ایک نے رسولوں کو جھٹلایا تو میرا عذاب ان پر واقع ہو گیا۔

وَمَا يَنظُرُ هَٰؤُلَاءِ إِلَّا صَيْحَةً وَاحِدَةً مَّا لَهَا
مِن فَوَاقٍ ﴿١٥﴾

۱۵ یہ لوگ ایک ہولناک آواز کے منتظر ہیں جس کے بعد ذرا بھی وقفہ نہ ہوگا۔ ۱۴؎

وَقَالُوا رَبَّنَا عَجِّل لَّنَا قِطَّنَا قَبْلَ يَوْمِ الْحِسَابِ ﴿١٦﴾

۱۶ اور یہ لوگ کہتے ہیں اے ہمارے رب روزِ حساب سے پہلے ہی ہمارا حصہ ہمیں جلد دیدے۔ ۱۵؎

اصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ
وَاذْكُرْ عَبْدَنَا دَاوُودَ ذَا الْأَيْدِ ۖ إِنَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٧﴾

۱۷ (اے نبی!) ان کی باتوں پر صبر کرو اور ہمارے بندے داؤد کا حال بیان کرو جو قوت والا تھا ۱۶؎، وہ اللہ کی طرف بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔ ۱۷؎

إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ ﴿١٨﴾

۱۸ ہم نے پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ اس کے ساتھ وہ شام کو اور صبح کو تسبیح کرتے۔ ۱۸؎

وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً ۖ كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ ﴿١٩﴾

۱۹ اور پرندے بھی جمع ہو کر ۱۹؎۔ سب اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ ۲۰؎

وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ﴿٢٠﴾

۲۰ ہم نے اس کی سلطنت مضبوط کر دی تھی ۲۱؎۔ اور اس کو حکمت ۲۲؎ اور قولِ فیصل عطا کیا تھا۔ ۲۳؎

وَهَلْ أَتَاكَ نَبَأُ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ ﴿٢١﴾

۲۱ کیا تمہیں مقدمہ والوں کی خبر پہنچی ہے؟ جو دیوار پر چڑھ کر خلوت گاہ میں گھس آئے تھے۔ ۲۴؎

إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُودَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ ۖ قَالُوا لَا تَخَفْ ۖ خَصْمَانِ بَغَىٰ
بَعْضُنَا عَلَىٰ بَعْضٍ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تُشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ
سَوَاءِ الصِّرَاطِ ﴿٢٢﴾

۲۲ جب وہ داؤد کے پاس پہنچے تو وہ انہیں دیکھ کر گھبرا گیا ۲۵؎۔ انہوں نے کہا ڈریئے نہیں، ہم دو فریقِ مقدمہ ہیں۔ ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے۔ آپ ہمارے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیجئے اور بے انصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ دکھایئے۔ ۲۶؎

۱۲۔ یعنی یہ آج اللہ کے رسول کے مقابلہ میں متکبر بنے ہوئے ہیں۔لیکن عنقریب وہ وقت آئے گا، جب حق و باطل کی جنگ کا میدان گرم ہوگا، اس وقت ان منکرین کا لشکر بالکل بے وقعت ہوگا اور اسی مقام پر بُری طرح شکست کھائے گا۔ چنانچہ فتح مکہ کے موقع پر ان کافروں کا لشکر بالکل بے وقعت تھا یہاں تک کہ یہ لوگ لشکر اسلام کا مقابلہ ہی نہیں کر سکے۔اس طرح قرآن کی یہ پیشین گوئی پوری ہوکر رہی کہ رسول کے مقابلہ میں کافروں کا یہ لشکر بالآخر شکست کھائے گا، ٹھیک اسی طرح جس طرح کافروں کے دوسرے گروہوں نے رسولوں کے مقابلہ میں شکست کھائی تھی۔

۱۳۔ مراد قوم شعیب ہے تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۷۷۔

۱۴۔ صیحۃ (ہولناک آواز) سے مراد قیامت کا دوسرا صور ہے۔ یہ ہولناک آواز ایسی ہوگی کہ تمام مرے ہوئے لوگ فوراً زندہ اٹھ کھڑے ہوں گے، تاکہ اپنے رب کے حضور اپنے اعمال کی جوابدہی کریں۔اس ہولناک آواز کے بعد کوئی مہلت اور کوئی وقفہ اٹھ کھڑے ہونے کیلئے نہیں مل سکے گا، بلکہ اسی لمحہ حاضر ہونا پڑے گا۔

۱۵۔ روزِ حساب کی بات جب ان منکرین کے سامنے کی جاتی تو وہ غیر سنجیدہ ہوجاتے، اور کہتے جو عذاب ہمارے حصہ میں آنے والا ہے وہ ہمیں دنیا ہی میں نقد مل جائے تو اچھا ہے۔قیامت تک کون انتظار کرے گا۔

۱۶۔ یعنی حضرت داؤد کی شخصیت بڑی طاقتور تھی۔ جسمانی لحاظ سے بھی وہ نہایت قوی تھے۔ چنانچہ جالوت جیسے قوی ہیکل کو انہوں نے تنہا ڈھیر کردیا تھا۔(سورہ بقرہ آیت ۲۵۱) اورانہوں نے اس جنگ میں بہادری کے جو ہر دکھائے اس کے نتیجہ میں ان کی شخصیت ابھری۔ پھر ان کے ہاتھ میں لوہا نرم کردیا گیا تھا اور وہ اس سے زرہیں بناتے تھے۔اسی طرح وہ سیاسی لحاظ سے بھی کافی طاقتور تھے کیونکہ ان کی سلطنت نہایت مستحکم تھی۔

۱۷۔ اللہ کی طرف رجوع کرنے کا مطلب اس کے دھیان میں رہنا، ہر معاملہ میں اس کی طرف پلٹنا، اپنے قصوروں پر اس کے حضور توبہ کرنا اور اس کی عبادت واطاعت کی راہ اختیار کرنا ہے۔

حضرت داؤد کے ان اوصاف کو بیان کرنے سے مقصود یہاں یہ واضح کرنا ہے کہ ہلاک شدہ قوموں عاد، ثمود اور فرعون وغیرہ کو اللہ نے قوت والا بنایا تھا، مگر انہوں نے اس قوت کے گھمنڈ میں اللہ سے سرکشی کی۔ بخلاف اس کے داؤد (علیہ السلام) کی شخصیت ایسی ہے کہ نہایت طاقتور ہونے کے باوجود وہ اللہ کی طرف رجوع کرنے والے تھے۔ یہ لوگ اگر اس مثالی شخصیت کو سامنے رکھیں تو اپنی مادی طاقت پر اترائیں نہیں بلکہ اللہ کی طرف رجوع ہوں۔

۱۸۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورہ انبیاء نوٹ ۱۰۶۔

۱۹۔ داؤد علیہ السلام جب اپنے مخصوص لحن کے ساتھ تسبیح میں مشغول ہوتے تو پہاڑوں سے بھی یہی صدا بلند ہوتی اور پرندوں کے پرے کے پرے جمع ہوکر تسبیح میں نغمہ زن ہوتے۔اس طرح بڑی پرکیف فضا بن جاتی۔ یہ اللہ کی طرف سے حضرت داؤد کے حق میں ایک معجزہ کا ظہور تھا۔

۲۰۔ یعنی داؤد ہی نہیں ان کے ساتھ پہاڑ اور پرندے بھی اللہ کے دھیان میں مشغول ہوجاتے تھے۔

۲۱۔ بنی اسرائیل کے ارض مقدس (فلسطین) میں داخل ہونے کے بعد انہیں مسلسل جنگوں کا سامنا کرنا پڑا اور بتدریج وہ فلسطین کے علاقے فتح کرتے چلے گئے یہاں تک کہ حضرت داؤد کے ہاتھوں ایک مضبوط حکومت قائم ہوگئی اور سلطنت کا دائرہ کافی وسیع ہوا۔

۲۲۔ یعنی فہم اور دانائی۔

۲۳۔ یعنی انہیں دوٹوک اور فیصلہ کن بات کرنے کی غیر معمولی صلاحیت بخشی تھی۔اس لئے ان کے کلام میں زبردست تاثیر ہوتی اور فصلِ مقدمات

میں بھی ان کی یہ خصوصیت نمایاں ہوتی۔

۲۴۔ یہاں ان مقدمہ والوں کا واقعہ بیان کیا جارہا ہے جو یکا یک دیوار پھاند کر داؤد علیہ السلام کی خلوت گاہ میں گھس آئے تھے۔

'محراب' سے مراد خلوت گاہ ہے جو عبادت کیلئے مخصوص تھی۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس وقت اہل مقدمہ اندر گھس آئے اس وقت حضرت داؤد عبادت میں مشغول رہے ہوں گے۔

۲۵۔ وہ بے وقت حضرت داؤد کے پاس پہنچے تھے اور خلوت گاہ (محراب) کا دروازہ بند دیکھ کر دیوار پر سے اندر داخل ہوئے تھے۔ان کے اس طرح اچانک داخل ہونے سے حضرت داؤد گھبرا گئے کہ معلوم نہیں یہ کس ارادہ سے آئے ہیں۔ان کی یہ گھبراہٹ بالکل فطری تھی۔

۲۶۔ مقدمہ والوں نے حضرت داؤد کو اطمینان دلایا کہ ہمارے آنے کی غرض،اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ جو نزاع ہمارے آپس میں ہوئی ہے، اس کا آپ فیصلہ کریں۔مگر ان کی گفتگو کا انداز ناشائستہ تھا۔چنانچہ انہوں نے یہ سخت الفاظ بے محل استعمال کئے کہ بے انصافی نہ کیجئے،جبکہ حضرت داؤد نبی تھے اور ایک نبی کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ناانصافی کرے گا۔

یہ بڑی مبارک کتاب ہے جو ہم نے (اے پیغمبر!) تمہاری طرف نازل کی ہے، تا کہ وہ اس کی آیتوں میں تدبر (غور) کریں اور عقل رکھنے والے اس سے یاددہانی حاصل کریں۔ (القرآن)

إِنَّ هَٰذَآ أَخِي لَهُۥ تِسۡعٌ وَتِسۡعُونَ نَعۡجَةً وَلِيَ نَعۡجَةٌ وَاحِدَةٌ
فَقَالَ أَكۡفِلۡنِيهَا وَعَزَّنِي فِي ٱلۡخِطَابِ ﴿٢٣﴾

۲۳ یہ میرا بھائی ہے۔اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی دنبی ہے۔ اس نے کہا یہ بھی میرے حوالے کردے اور بحث میں اس نے مجھے دبالیا ۲۷؎۔

قَالَ لَقَدۡ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعۡجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِۦۖ وَإِنَّ كَثِيرٗا مِّنَ
ٱلۡخُلَطَآءِ لَيَبۡغِي بَعۡضُهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٍ إِلَّا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ
ٱلصَّٰلِحَٰتِ وَقَلِيلٞ مَّا هُمۡۗ وَظَنَّ دَاوُۥدُ أَنَّمَا فَتَنَّٰهُ فَٱسۡتَغۡفَرَ رَبَّهُۥ
وَخَرَّۤ رَاكِعٗاۤ وَأَنَابَ۩ ﴿٢٤﴾

۲۴ داؤد نے کہا: اس نے تمہاری دنبی کو اپنی دنبیوں کے ساتھ ملانے کا مطالبہ کر کے یقیناً تم پر ظلم کیا ۲۸؎۔ اور اکثر شرکاء ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں ۲۹؎۔ بس وہی لوگ اس سے بچے ہوئے ہیں جو ایمان رکھتے اور نیک عمل کرتے ہیں ۳۰؎۔ اور ایسے لوگ بہت تھوڑے ہیں ۳۱؎۔ اور داؤد سمجھ گیا کہ ہم نے اس کی آزمائش کی ہے۔ اور (یہ خیال آتے ہی) اس نے اپنے رب سے استغفار کیا اور اس کے آگے جھک پڑا اور رجوع کرلیا۔ ۳۲؎

فَغَفَرۡنَا لَهُۥ ذَٰلِكَۖ وَإِنَّ لَهُۥ عِندَنَا لَزُلۡفَىٰ
وَحُسۡنَ مَـَٔابٖ ﴿٢٥﴾

۲۵ تو ہم نے اس کا قصور معاف کردیا ۳۳؎۔ اور یقیناً اس کیلئے ہمارے پاس تقرب کا مقام اور بہترین ٹھکانا ہے۔

يَٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلۡنَٰكَ خَلِيفَةٗ فِي ٱلۡأَرۡضِ فَٱحۡكُم بَيۡنَ ٱلنَّاسِ
بِٱلۡحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ ٱلۡهَوَىٰ فَيُضِلَّكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِۚ إِنَّ
ٱلَّذِينَ يَضِلُّونَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ لَهُمۡ عَذَابٞ شَدِيدُۢ بِمَا نَسُواْ
يَوۡمَ ٱلۡحِسَابِ ﴿٢٦﴾

۲۶ اے داؤد! ہم نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا ہے ۳۴؎۔ لہٰذا لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور خواہشِ نفس کی پیروی نہ کرو، کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے ۳۵؎۔ جو لوگ اللہ کی راہ سے بھٹکتے ہیں ان کیلئے سخت سزا ہے۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے روزِ حساب کو بھلا دیا۔ ۳۶؎

وَمَا خَلَقۡنَا ٱلسَّمَآءَ وَٱلۡأَرۡضَ وَمَا بَيۡنَهُمَا بَٰطِلٗاۚ ذَٰلِكَ ظَنُّ
ٱلَّذِينَ كَفَرُواْۚ فَوَيۡلٞ لِّلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنَ ٱلنَّارِ ﴿٢٧﴾

۲۷ ہم نے آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی موجودات کو بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے ۳۷؎۔ یہ ان لوگوں کا گمان ہے جنہوں نے کفر کیا ۳۸؎۔ تو ایسے کافروں کیلئے آگ کی تباہی ہے۔

أَمۡ نَجۡعَلُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ كَٱلۡمُفۡسِدِينَ فِي ٱلۡأَرۡضِ
أَمۡ نَجۡعَلُ ٱلۡمُتَّقِينَ كَٱلۡفُجَّارِ ﴿٢٨﴾

۲۸ کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ان لوگوں کی طرح کردیں گے؟ جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں۔ کیا ہم متقیوں کو فاجروں جیسا کردیں گے؟ ۳۹؎

كِتَٰبٌ أَنزَلۡنَٰهُ إِلَيۡكَ مُبَٰرَكٞ لِّيَدَّبَّرُوٓاْ ءَايَٰتِهِۦ وَلِيَتَذَكَّرَ
أُوْلُواْ ٱلۡأَلۡبَٰبِ ﴿٢٩﴾

۲۹ یہ بڑی مبارک کتاب ہے جو ہم نے (اے پیغمبر!) تمہاری طرف نازل کی ہے، تاکہ وہ اس کی آیتوں میں تدبر (غور) کریں ۴۰؎ اور عقل رکھنے والے اس سے یاددہانی حاصل کریں۔ ۴۱؎

۲۷۔ ایک فریق نے مقدمہ اس طرح پیش کیا کہ یہ دوسرا فریق دراصل میرا بھائی ہے۔ اور ننانوے دنبیوں (بھیڑوں) کا مالک ہے اور میری صرف ایک دنبی ہے، جس کے بارے میں اس کا مطالبہ یہ ہے کہ میں اس کو بھی اس کے حوالہ کر دوں۔ مجھے یہ بات پسند نہیں ہے، لیکن یہ بحث میں مجھے دبا لیتا ہے اور اس پر آپس میں تکرار ہوتی ہے۔ لہٰذا آپ انصاف کے ساتھ فیصلہ کیجئے کہ آیا اس کا یہ مطالبہ صحیح ہے یا نہیں۔

واضح رہے کہ فریق ثانی نے فریق اوّل سے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ مجھے تو اپنی دنبی بھی دیدے، بلکہ مطالبہ یہ کیا تھا کہ اس کو میرے حوالے کر دے تا کہ میں اس کی نگرانی کروں جیسا کہ لفظ اَکْفِلْنِیْھَا (اس کو میری کفالت میں دیدے) سے ظاہر ہے۔ اس کا ارادہ تو اس دنبی کو ہڑپ کرنے کا ہی رہا ہوگا اسی لئے تو اس کو اس بات پر اصرار تھا کہ وہ دنبی اس کے حوالہ کر دے، تا کہ وہ اپنی ننانوے دنبیوں میں اس کو شامل کر لے اور سو کا عدد پورا ہو جائے۔ مگر اس نے اپنی اس حرص کو پورا کرنے کیلئے مطالبہ اس شکل میں پیش کیا کہ وہ اس دنبی کی جو تنہا ہے رکھوالی کرنا چاہتا ہے۔ وہ چونکہ اس کا بھائی تھا اس لئے اس نے زور دیکر کہا ہوگا کہ تو اپنی ایک دنبی کو چرانے کا اور اس کی حفاظت کا کہاں انتظام کر سکتا ہے۔ میری دنبیوں میں اس کو شامل کر دے تو آسانی سے یہ انتظام ہو جائے گا۔ مگر اس کا بھائی سمجھ گیا کہ اس کی نیت بُری ہے اس لئے وہ اپنی دنبی اس کے حوالہ کرنے سے انکار کرتا رہا۔ مگر جب دوسری طرف سے اصرار اور بڑھ گیا اور تکرار تک نوبت پہنچی تو دونوں فریق فیصلہ کیلئے حضرت داؤد کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

۲۸۔ دوسرے فریق کی بات بھی یقیناً حضرت داؤد نے سن لی ہوگی، کیونکہ کسی منصف سے یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ یک طرفہ بات سن کر فیصلہ کر دے گا۔ لیکن قرآن نے اس کا بیان اس لئے نقل نہیں کیا کہ اس کے بیان سے فریق اول کا دعویٰ غلط ثابت نہیں ہو رہا تھا۔ خاص طور سے اس لئے بھی کہ فریق ثانی (ننانوے دنبیوں کے مالک) کا دعویٰ یہ نہیں تھا کہ یہ دنبی میری ہے۔ جیسا کہ اوپر کے نوٹ میں واضح کیا گیا ہے۔

حضرت داؤد نے فیصلہ یہ دیا کہ اس شخص کی ایک دنبی کو اپنی دنبیوں میں شامل کرنے کا فریق ثانی کا مطالبہ سراسر غلط اور اس شخص (فریق اول) کی حق تلفی ہے۔ جب فریق اول اپنی دنبی کو فریق ثانی کے حوالہ نہیں کرنا چاہتا، تو اسے اپنی بات پر اصرار کرنے کا کوئی حق نہیں۔ یہ فیصلہ نہایت معقول اور منصفانہ تھا۔

۲۹۔ شرکاء عام طور سے ایک دوسرے پر جو زیادتی کرتے ہیں ان کے سلسلہ میں حضرت داؤد نے اس عدالتی رائے (Observed) کا اظہار کیا۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ اس غریب کی ایک دنبی کو اپنے مال میں شریک کرنے کا مطالبہ اس کو ہڑپ کر جانے کی ایک تدبیر ہے۔

۳۰۔ مقدمہ والوں نے حضرت داؤد سے یہ بھی درخواست کی تھی کہ وہ انہیں سیدھی راہ دکھائیں۔ لہٰذا حضرت داؤد نے اپنا فیصلہ سناتے ہوئے یہ رہنمائی بھی دی کہ مؤمنانہ اور صالحانہ زندگی ہی انسانوں کو بندگانِ خدا کی حق تلفی سے بچاتی ہے۔

۳۱۔ یعنی اللہ کے ایسے بندے جو اپنے ایمان میں مخلص اور اپنی عملی زندگی میں صالح ہوں، بہت کم ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ ایسے لوگ ہر زمانہ میں تھوڑے ہی رہے ہیں۔ کیونکہ اپنے اندر اچھے اوصاف پیدا کرنا سب سے زیادہ مشکل کام ہے۔ اور دنیا میں اعلیٰ قسم کی چیزیں کم ہی پائی جاتی ہیں۔ ہیرے جواہرات نادرالوجود ہیں جب کہ پتھروں کی کوئی کمی نہیں۔ سونا کمیاب ہے جب کہ ہر قسم کی دھات کثیر مقدار میں پائی جاتی ہے ۔ پس اللہ جسے توفیق دے وہی سچا مؤمن اور نیک کردار بن جاتا ہے۔

۳۲۔ مقدمہ والوں نے بے وقت اور دیوار پھاند کر خلیفۂ وقت کی عمارت میں گھس آنے کی جو جسارت کی تھی، اور گفتگو کا جو گستاخانہ انداز اختیار کیا تھا اس پر حضرت داؤد نے کمال ضبط اور نہایت تحمل سے کام لیا اور حق و عدل کے ساتھ مقدمہ کا فیصلہ سنایا۔ ساتھ ہی ان کا ذہن اس بات کی طرف منتقل ہوا کہ مقدمہ والوں کی یہ جسارت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کیلئے وجہ آزمائش تھی۔ اور جب ایک بیدار مغز انسان کو کوئی ٹھوکر لگتی ہے تو اسے اپنا قصور یاد

آجاتا ہے، حضرت داؤد کو بھی اس موقع پر اپنا قصور یاد آگیا۔ چنانچہ وہ فوراً اللہ سے معافی کے طالب ہوئے، اس کے آگے جھک کر سجدے میں گر پڑے اور دل کی انابت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

یہ تھا حضرت داؤد کا مثالی کردار کہ ایک عظیم فرمانروا ہونے کے باوجود، ان کے خلوص وللّٰہیت ،تقویٰ اور انابت کا یہ حال تھا کہ وہ اپنا احتساب کرتے اور اپنے قصور پر نادم ہوکر اللہ سے معافی مانگتے ۔

ان کی حکومت (خلافت) میں غریبوں کو انصاف ملتا اور ان کا نظامِ حکومت عادلانہ اور صالح نظامِ حکومت تھا۔

یہ آیت سجدہ ہے، اس لئے اس کی تلاوت یا سماعت پر سجدہ کرنا چاہئے۔ تاکہ پڑھنے یا سننے والے پر رجوع وانابت کی کیفیت طاری ہو۔ نبی ﷺ سے اس موقع پر سجدہ کرنا ثابت ہے۔ (بخاری، ابواب سجود القرآن)

۳۳۔ حضرت داؤد کا قصور کیا تھا اس کی صراحت قرآن نے نہیں کی لیکن بعد والی آیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ فرائض خلافت کو انجام دینے کے سلسلے میں ان سے کوئی کوتاہی سرزد ہوئی تھی، جس کا احساس ان کو اس موقع پر ہوگیا۔ قرآن نے جب ان کے قصور پر پردہ ڈال دیا ہے تو اس کو کرید نے کی ضرورت نہیں ہے۔ جن مفسرین نے ان کو کرید نے کی کوشش کی، انہوں نے ان آیتوں کی دوراز کار تاویلیں کیں اور حضرت داؤد کی طرف ایسی باتیں منسوب کیں جو ایک نبی کی شایانِ شان نہیں ہوسکتیں۔ اور مشہور مفسر ابن جریر طبری نے تو اوریاہ حتّی کی بیوی سے حضرت داؤد کے نکاح کا بے ہودہ قصہ نقل کر کے افسوس ناک غلطی کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کرے۔ اوریاہ حتّی کی بیوی سے حضرت داؤد کے نکاح کا قصہ اصلاً بائبل میں بیان ہوا ہے۔ (۲ سموئیل باب ۱۱، ۱۲) جو حضرت داؤد پر الزامات اور بہتان سے پُر اور اس قدر لغو ہے کہ اس کو نقل کرنے سے ہمارا قلم قاصر ہے۔ سُبۡحَانَکَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ۔ اسی قصہ کو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ راویوں نے پیش کر دیا اور روایتوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کرنے والوں نے قبول کرلیا۔ مگر متعدد مفسرین نے اس کی پُرزور تردید بھی کی۔ مثال کے طور پر علامہ رازی نے اپنی تفسیر میں اس قصہ کو نہایت شرمناک قرار دیتے ہوئے اس کی مدلل تردید کی ہے اور علامہ ابن کثیر نے لکھا ہے:

''اس موقع پر مفسرین نے ایک قصہ بیان کیا ہے، جس کا بیشتر حصہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے اور نبی ﷺ سے اس سلسلہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں، جس کی اتباع واجب ہو۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۳۱)

اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اپنی محققانہ کتاب قصص القرآن میں لکھتے ہیں:

''مگر افسوس صد افسوس کہ قرآنِ عزیز کے اس مقدس اعلان کے باوجود حتّی اوریاہ کی بیوی کی اس خرافی داستان کو توراۃ اور اسرائیلیات سے لے کر بعض مفسرین نے قرآن عزیز کی تفسیر میں نقل کردیا۔ اور اسرائیلی ہفوات کو بلا دلیل وسند اسلامی روایت کی حیثیت دی۔''

ان سادہ لوح بزرگوں نے یہ مطلق خیال نہیں فرمایا کہ جن خرافی داستانوں کو آج وہ اسرائیلی روایت کی حیثیت سے قرآن عزیز میں نقل کررہے ہیں، کل وہ آیاتِ قرآنی کی تفسیر وتشریح سمجھی جا کر امتِ مرحومہ کیلئے فتنہ سامانی کا باعث بنیں گی اور ان کی گمراہی کا سبب ثابت ہوں گی۔ اور حیرت وصد حیرت ہے بعض ان جدید وقدیم متکلمین پر، جنہوں نے اس قسم کی ہزلیات کو سختی کے ساتھ رد کردینے اور ان بہتان طرازیوں کو مردود قرار دینے کے بجائے ان روایات کے نیک محمل تلاش کر کے ان کو قابلِ قبول بنانے کی سعی نامشکور فرمائی ہے۔ اور بے محل حسن ظن سے کام لے کر اس حقیقت کو نظر انداز کردیا کہ یہ تاویلات، جو اس خرافی روایت کے بارے میں کی جارہی ہیں ریت کی دیوار اور تارِ عنکبوت ہیں۔ اور

کسی نہ کسی اسلوب کے ساتھ اس کو تسلیم کرنے سے ''عصمتِ انبیاء'' جیسے اہم اور بنیادی اسلامی عقیدہ پر ضرب کاری لگتی ہے۔ اور یہ کہ انبیاء ورسل کی جانب اس قسم کے انتساب سے جب کہ قرآن مجید کا دامن پاک اور بے لوث ہے اور وہ اس قسم کی روایات کو بہتان عظیم سمجھتا ہے، تو پھر کسی شخص کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اس کی تفسیر میں اس قسم کی خرافات کا تذکرہ کرے۔'' (قصص القرآن ج ۲ ص ۱۷۹)

مگر حیرت ہے کہ صاحبِ تفہیم القرآن نے بائبل کے اس قصہ کو ریفائنڈ (Refined) کر کے پیش کیا ہے اور توجیہ یہ کی ہے کہ:

''معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت داؤد کو اس خاتون کی خوبیوں کا کسی ذریعہ سے علم ہو گیا تھا اور ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ ایسی لائق عورت ایک معمولی افسر کی بیوی ہونے کے بجائے ملک کی ملکہ ہونا چاہئے۔ اسی خیال سے مغلوب ہو کر انہوں نے اس کے شوہر سے یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اسے طلاق دیدے۔ اس میں کوئی قباحت انہوں نے اس لئے محسوس نہ کی کہ بنی اسرائیل کے ہاں یہ کوئی معیوب بات نہ سمجھی جاتی تھی۔'' (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۳۲۸)

یہ توجیہ بھی بالکل غلط اور بے بنیاد ہے۔ یہ بات کہ داؤد علیہ السلام کے دل میں ایک دوسرے شخص کی بیوی سے نکاح کرنے کا خیال پیدا ہوا اور انہوں نے اس کے شوہر سے اپنی یہ خواہش ظاہر کی کہ وہ اسے طلاق دیدے، اخلاقی لحاظ سے نہایت فروتر بات ہے۔ اور ایک نبی کی طرف ایسی بات منسوب کرنے سے مقام نبوت متاثر ہوتا ہے۔ جب کہ نبی اخلاق کی بلند ترین چوٹی پر ہوتا ہے۔ اور یہ بات کیسے معلوم ہوگئی کہ حضرت داؤد کے دل میں یہ غلط خیال پیدا ہو گیا تھا۔ شرعی پہلو سے بھی یہ بات قابلِ اعتراض قرار پاتی ہے کہ کسی شخص سے اس کی بیوی کو طلاق دینے کیلئے کہا جائے، تا کہ اس کے طلاق دینے کے بعد وہ اس کی منکوحہ قرار پائے۔ یہ تو میاں بیوی کے درمیان تفریق کا عمل ہوا جس کو شرعی جواز کس طرح حاصل ہو سکتا ہے؟ پھر ایک ایسی بات جو نہ اخلاقاً صحیح ہو سکتی ہے اور نہ شرعاً، ایک نبی کی طرف کس طرح منسوب کی جاسکتی ہے؟ فاضل مفسر اور دوسرے مفسرین کو یہ سب تکلفات اس لئے کرنا پڑے کہ اللہ نے اپنے نبی کے ایک قصور پر پردہ ڈالا تھا اس کو اٹھانے کی انہوں نے ناکام کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے اور اپنے نبی داؤد کو سلام ورحمت سے نوازے۔

۳۴۔ یہاں خلیفہ کے معنی با اقتدار اور فرمانروا کے ہیں۔ بنی اسرائیل کو ارضِ مقدس میں بتدریج جو اقتدار حاصل ہوتا چلا گیا اس نے حضرت داؤد کے زمانہ میں ایک مضبوط حکومت اور مستحکم سلطنت کی شکل اختیار کر لی۔ یہ ایک خالص اسلامی حکومت تھی جس کی زمام کار ایک نبی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ خلافت (اسلامی حکومت) اس ملوکیت سے بالکل مختلف تھی جس کی خصوصیات میں آمریت اور خواہش پرستی جیسی چیزیں شامل ہیں۔

(لفظ خلیفہ کی مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ فاطر نوٹ ۷۱)

۳۵۔ اقتدار پاکر انسان حق وعدل کے تقاضے پورے نہیں کرتا بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے پڑ کر من مانی کرنے لگتا ہے، جس کا نتیجہ گمراہی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی کہ حکومت کے سارے فیصلے حق کی بنیاد پر ہونے چاہئیں۔ یہ حضرت داؤد کے واسطہ سے بنی اسرائیل کو مستقل ہدایت تھی کہ جو اقتدار ان کو بخشا گیا ہے اس کا وہ غلط استعمال نہ کریں، اور یہی ہدایت امت مسلمہ کے لئے بھی ہے کہ وہ اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد اپنے حاکمانہ اختیارات کو حق وعدل کی بنیاد پر استعمال کریں جس میں شریعت کی تطبیق لازماً شامل ہے۔

۳۶۔ واضح ہوا کہ حق وعدل پر قائم رکھنے والی چیز قیامت کے دن اللہ کے حضور جوابدہی کا یقین ہے۔ اگر اس تصور کا غلبہ دل ودماغ پر نہیں رہا تو خواہشات حاوی ہو جاتی ہیں اور آدمی غلط فیصلے کرنے لگتا ہے، اس طرح ہدایت کی راہ اس پر گم ہو جاتی ہے۔

۳۷۔ یعنی اس کائنات کی تخلیق کا ایک مقصد اور اس کی ایک غایت ہے اور وہ ہے جزائے عمل اور اس کیلئے قیامت کے دن اللہ کی عدالت کا برپا ہونا۔

۳۸۔ یعنی جولوگ اللہ کی نشانیوں سے جو اس کائنات کی تخلیق کے عظیم مقصد کی طرف رہنمائی کرنے والی ہیں انکار کرتے ہیں، وہی یہ گمان کرتے ہیں کہ اس کے پیچھے کوئی حکیمانہ منصوبہ کارفرما نہیں ہے، بلکہ یہ کائنات ایک حادثہ کے طور پر پیدا ہوئی ہے یا ہمیشہ سے یونہی چلی آ رہی ہے۔ وحی الٰہی کی روشنی سے محروم ہونے کے بعد وہ اس کائنات کے وجود کی کوئی صحیح توجیہ کر نہیں پاتے۔

۳۹۔ یعنی آخرت اور جزا و سزا کے انکار کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی نظر میں مؤمنین، صالحین اور مفسدین سب برابر ہیں۔ اور متقیانہ زندگی گزارنے اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے میں نتیجہ کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اللہ نہ مظلوم کی دادرسی کرنے والا ہے اور نہ ظالموں کو سزا دینے والا ہے۔ مگر کیا عقلِ سلیم اور فطرتِ انسانی اس خیال کی تائید کرتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ نہ عقلِ سلیم نیک کردار اور بدکردار کو یکساں قرار دیتی ہے اور نہ فطرتِ انسانی ظالم و مظلوم کو ایک ہی سطح پر رکھتی ہے۔ اور یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ وحی الٰہی جزا و سزا کی جو خبر دے رہی ہے وہ بالکل حق ہے۔

۴۰۔ قرآن کے مبارک کتاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چشمۂ خیر ہے اور اس کی فیض رسانی کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ جو بھی اس میں تدبر کرے گا، یعنی صاف ذہن کے ساتھ غور و فکر کرے گا اس کے فیض سے محروم نہیں رہے گا۔ اور جو شخص اس کتاب میں جتنا تدبر کرے گا اتنا ہی وہ فیضیاب ہوگا۔ اور جتنی گہرائی میں جائے گا اتنے ہی علم و معرفت کے موتی چن لے گا۔

قرآن نے غور و فکر کی جو دعوت دی ہے، اس کے باوجود مسلمانوں کی بڑی تعداد ایسی ہے جو تلاوت کو کافی سمجھتی ہے۔ اور اس کے معنی و مفہوم کو سمجھنے اور اس پر غور و فکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ نتیجہ یہ کہ ان کا تعلق اس کتاب سے بہت کمزور ہو کر رہ گیا ہے اور اس کی فیض بخشیوں سے انہوں نے اپنے آپ کو محروم کر لیا ہے۔ علامہ شوکانی نے اپنی تفسیر میں قرآن فہمی پر زور دیتے ہوئے لکھا ہے:

''اس آیت میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ سبحانہ نے قرآن اس لئے نازل کیا ہے کہ اس کے معانی میں غور و فکر کیا جائے۔ تدبر کے بغیر محض تلاوت کیلئے نازل نہیں کیا ہے۔'' (فتح القدیر ج ۴ ص ۴۳۰)

۴۱۔ یعنی جو لوگ اپنی عقل و دانش کا استعمال کریں گے وہ اس کتاب کے مطالعہ سے یاددہانی اور نصیحت حاصل کریں گے۔ اور قرآن کا اولین مقصد یہی ہے کہ لوگ اس کتاب سے نصیحت پذیر ہوں۔ اور یہ فائدہ ایک عام آدمی بھی اس کا مطالعہ کر کے حاصل کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ صاف ذہن سے مطالعہ کرے۔

اس (سلیمان) نے دعا کی میرے رب! مجھے
معاف فرمادے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو
میرے بعد کسی کے لئے سزاوار نہ ہو۔ بے شک تو
بڑا بخشنے والا ہے۔ (القرآن)

وَوَهَبْنَا لِدَاوُدَ سُلَيْمَٰنَ ۚ نِعْمَ الْعَبْدُ ۖ إِنَّهُۥٓ أَوَّابٌ ﴿۳۰﴾

۳۰ اور ہم نے داؤد کو سلیمان عطاء کیا ۴۲، بہترین بندہ ۴۳، (اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والا تھا۔ ۴۴

إِذْ عُرِضَ عَلَيْهِ بِالْعَشِيِّ الصَّٰفِنَٰتُ الْجِيَادُ ﴿۳۱﴾

۳۱ جب اس کے سامنے شام کے وقت تربیت یافتہ ۴۵ تیز رو گھوڑے پیش کئے گئے۔ ۴۶

فَقَالَ إِنِّىٓ أَحْبَبْتُ حُبَّ الْخَيْرِ عَن ذِكْرِ رَبِّى حَتَّىٰ تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾

۳۲ تو اس نے کہا مجھے اس مال سے محبت اللہ کی یاد کی وجہ سے ہے ۴۷۔ یہاں تک کہ وہ اوٹ میں چھپ گئے۔ ۴۸

رُدُّوهَا عَلَىَّ ۖ فَطَفِقَ مَسْحًۢا بِالسُّوقِ وَالْأَعْنَاقِ ﴿۳۳﴾

۳۳ (اس نے حکم دیا) انہیں میرے پاس واپس لاؤ ۴۹۔ پھر وہ ان کی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ ۵۰

وَلَقَدْ فَتَنَّا سُلَيْمَٰنَ وَأَلْقَيْنَا عَلَىٰ كُرْسِيِّهِۦ جَسَدًا ثُمَّ أَنَابَ ﴿۳۴﴾

۳۴ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی اور اس کی کرسی پر ایک دھڑ ڈال دیا۔ پھر اس نے رجوع کیا۔ ۵۱

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِى وَهَبْ لِى مُلْكًا لَّا يَنۢبَغِى لِأَحَدٍ مِّنۢ بَعْدِىٓ ۖ إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ﴿۳۵﴾

۳۵ اس نے دعا کی میرے رب! مجھے معاف فرمادے اور مجھے ایسی سلطنت عطا کر جو میرے بعد کسی کیلئے سزاوار نہ ہو ۵۲۔ بے شک تو بڑا بخشنے والا ہے۔

فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِى بِأَمْرِهِۦ رُخَآءً حَيْثُ أَصَابَ ﴿۳۶﴾

۳۶ تو ہم نے ہوا کو اس کے تابع کردیا جو اس کے حکم سے نرمی کے ساتھ چلتی جدھر کا وہ قصد کرتا۔ ۵۳

وَالشَّيَٰطِينَ كُلَّ بَنَّآءٍ وَغَوَّاصٍ ﴿۳۷﴾

۳۷ اور شیاطین کو اس کے تابع کردیا ۵۴۔ ہر قسم کے معمار ۵۵ اور غوطہ خور۔ ۵۶

وَءَاخَرِينَ مُقَرَّنِينَ فِى الْأَصْفَادِ ﴿۳۸﴾

۳۸ اور دوسرے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ ۵۷

هَٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ أَوْ أَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۹﴾

۳۹ یہ ہماری بخشش ہے بے حساب ۵۸۔ تو احسان کرو یا روک لو۔ ۵۹

وَإِنَّ لَهُۥ عِندَنَا لَزُلْفَىٰ وَحُسْنَ مَـَٔابٍ ﴿۴۰﴾

۴۰ اور اس کے لئے ہمارے پاس تقرب کا مقام اور بہترین ٹھکانا ہے۔ ۶۰

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ أَيُّوبَ إِذْ نَادَىٰ رَبَّهُۥٓ أَنِّى مَسَّنِىَ الشَّيْطَٰنُ بِنُصْبٍ وَعَذَابٍ ﴿۴۱﴾

۴۱ اور ہمارے بندے ایوب کو یاد کرو ۶۱۔ جب اس نے اپنے رب کو پکارا کہ شیطان نے مجھے سخت دکھ اور تکلیف میں مبتلا کیا ہے۔ ۶۲

ارْكُضْ بِرِجْلِكَ ۖ هَٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَشَرَابٌ ﴿۴۲﴾

۴۲ (ہم نے اس سے کہا) اپنا پاؤں زمین پر مارو۔ یہ ٹھنڈا پانی ہے نہانے کے لئے بھی اور پینے کے لئے بھی۔ ۶۳

۴۲؂ یعنی داؤد کو سلیمان جیسا فرزند عطاء کیا۔

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۱۰۴؂ اور سورۂ نمل نوٹ ۲۱؂۔

۴۳؂ اس سے بائبل کی ان غلط بیانیوں کی خود بخود تردید ہوتی ہے جو حضرت سلیمان کے بارے میں کی گئی ہیں، اور جن سے ان کی کردار شکنی ہوتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین بندہ قرار دیا تو اخلاقی و عملی لحاظ سے جو فروتر باتیں ان کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ کس طرح صحیح ہوسکتی ہیں۔

۴۴؂ یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے کی صفت ان میں بدرجۂ کمال موجود تھی۔

رجوع کی تشریح اوپر نوٹ ۱۷؂ میں گزر چکی۔

۴۵؂ متن میں لفظ 'الصافنات' استعمال ہوا ہے جو، ان گھوڑوں کیلئے بولا جاتا ہے جو اس طرح کھڑے ہوں کہ ان کا اگلا ایک پاؤں اٹھا ہوا اور مڑا ہوا ہو، یعنی اس کے سم کا صرف ایک کنارہ زمین پر ہو۔ اس طرز پر گھوڑوں کا کھڑا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ وہ ایک اشارہ پر دوڑنے کیلئے تیار ہیں۔ یہ گھوڑے چونکہ جہاد کے لئے تھے اس لئے ان کو یہ ٹریننگ دیدی گئی تھی۔ اسی مناسبت سے ہم نے 'الصافنات' کا ترجمہ تربیت یافتہ گھوڑے کیا ہے۔

۴۶؂ شام کے وقت کے ذکر سے یہ اشارہ نکلتا ہے کہ یہ گھوڑے جہاد کی مہم پر روانہ ہونے والے تھے، کیونکہ صحرا میں سفر زیادہ تر رات میں کیا جاتا تھا۔ اور صبح کے وقت دھاوا بولا جاتا تھا (فَالْمُغِيرَاتِ صُبْحًا ان گھوڑوں کی قسم جو صبح کے وقت دھاوا کردیتے ہیں۔ سورۂ عادیات: ۳)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ سلیمان (علیہ السلام) کے پاس نہایت عمدہ، سبک رو اور تربیت دئے ہوئے (Trained) گھوڑے تھے اور یہ شام کے وقت جبکہ وہ جہاد کی مہم پر روانہ کئے جانے والے تھے حضرت سلیمان کے سامنے پیش کئے گئے۔

بائبل میں یہ واقعہ تو مذکور نہیں ہے جو قرآن نے یہاں بیان کیا ہے، لیکن حضرت سلیمان کے گھوڑوں (Cavalry) کا ذکر موجود ہے:

''اور سلیمان نے رتھ اور سوار (مراد گھوڑے سوار ہیں) اکٹھے کرلئے۔ اس کے پاس ایک ہزار چار سو رتھ اور بارہ ہزار سوار تھے ۔۔۔۔۔ اور جو گھوڑے سلیمان کے پاس تھے وہ مصر سے منگائے گئے تھے۔ اور بادشاہ کے سوداگر ایک ایک جھنڈ کی قیمت لگا کر ان کے جھنڈ کے جھنڈ لیا کرتے تھے۔'' (۱۔سلاطین ۱۰: ۲۶تا۲۸)

۴۷؂ حضرت سلیمان ان گھوڑوں کو جو نہایت عمدہ تھے اور جن کو جنگ کی ٹریننگ بھی دی گئی تھی دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ مگر اس جنگی طاقت پر جو انہیں فراہم ہوئی تھی اترائے نہیں بلکہ اللہ کو یاد کیا اور فرمایا: اس مال سے میری محبت دنیوی شان وشوکت پر فخر کرنے کی غرض سے نہیں ہے بلکہ اللہ کے ذکر کی وجہ سے ہے۔ یہ مال اور یہ طاقت اس کی راہ میں جہاد کرنے کی وجہ سے ہی فراہم کی گئی ہے۔ یعنی حضرت سلیمان کی نگاہ اعلائے کلمۃ اللہ جیسے عظیم مقصد پر تھی نہ کہ اپنی حکومت کی ظاہری شان وشوکت پر۔ اور حضرت سلیمان جیسے عظیم سلطنت کے مالک کا یہی وہ مثالی کردار ہے جو ان کے رجوع وانابت کا ثبوت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وسائل واقتدار پاکر لوگ گھمنڈ میں مبتلا ہوجاتے ہیں اس کے برخلاف سلیمان (علیہ السلام) نے جو رویّہ اختیار کیا وہی رویّہ بندوں کے اختیار کرنے کا ہے۔ یعنی اللہ کو ہر موقع پر یاد کرنا اور اس کی طرف رجوع ہونا۔

بعض مفسرین نے عَنْ ذِكْرِ رَبِّي کے معنی ''میرے رب کے ذکر سے غافل کردیا'' لئے ہیں اور پھر ان آیتوں کی تاویل میں ایسی باتیں کہی ہیں جو نہ حضرت سلیمان کی شانِ نبوت سے مناسبت رکھتی ہیں، اور نہ ان سے وہ مقصدیت واضح ہوتی ہے جو اس واقعہ میں مضمر ہے۔ اور جس کا ربط اوپر کے سلسلۂ بیان سے ہے۔ علامہ رازی نے اپنی تفسیر میں اس تاویل کی مکمل تردید کی ہے اور مولانا مودودی نے بھی تفہیم القرآن میں قوی دلائل سے اس تاویل کی بنیاد پر کہی جانے والی قیاسی باتوں کی تردید کی ہے۔

مفسرین میں اصل اختلاف عربی کے حرف جَر 'عن' کے معنی متعین کرنے کے سلسلے میں ہورہا ہے۔ یہ حرف 'اس وجہ سے' (مِن اَجْلِ) کے معنی میں بھی آتا ہے جیسا کہ عربی کی مستند لغت لسان العرب (ج ۱۳ ص ۲۹۶) میں بیان ہوا ہے۔ نیز قرآن میں بھی سورۂ توبہ آیت ۱۱۴ میں 'عن' کی وجہ سے، کے معنی میں استعمال ہوا ہے:

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرَاهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَا اِيَّاهُ۔

''اور ابراہیم نے اپنے باپ کیلئے جو مغفرت کی دعا کی تھی وہ اس وعدہ کی وجہ سے تھی جو اس نے کیا تھا۔''

اسی طرح سورہ ہود آیت ۵۳ میں بھی ان ہی وجوہ سے ہم نے آیت کا ترجمہ ''مجھے اس مال سے محبت اللہ کی یاد کی وجہ سے ہے'' کیا ہے۔

۴۸۔ یعنی سلیمان (علیہ السلام) ان گھوڑوں کو محبت بھری نگاہ سے دیکھتے رہے، یہاں تک کہ ان کی دوڑ شروع ہوئی اور وہ نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

'حجاب' کے معنی اوٹ کے ہیں۔ ممکن ہے گھوڑے دوڑتے ہوئے کسی پہاڑ کی اوٹ میں چلے گئے ہوں اور اس وجہ سے نظروں سے غائب ہوگئے ہوں۔

۴۹۔ جب گھوڑے نظروں سے اوجھل ہوگئے تو حضرت سلیمان نے پھر ان کو واپس بلوالیا تاکہ اپنا دستِ مبارک ان پر پھیریں۔ یہ بات بعد میں ان کے ذہن میں آئی ہوگی۔

۵۰۔ جب گھوڑے واپس لائے گئے تو حضرت سلیمان فرطِ محبت سے ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر اپنا دستِ مبارک پھیرنے لگے۔ چونکہ یہ جنگی گھوڑے تھے اور جہاد کی مہم پر روانہ ہوئے تھے اس لئے اپنا دستِ مبارک ان کے ان اعضاء پر پھیرا جو تلوار کی زد میں آتے ہیں۔ جنگ میں دشمن کی فوجیں گھوڑوں کی گردن پر تلوار چلاتی ہیں یا ان کی کونچیں (ٹانگیں) کاٹ دیتی ہیں۔ حضرت سلیمان کا ان کی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ پھیرنا اس بات کی علامت تھا کہ وہ ان کو اللہ کی حفاظت میں دے رہے ہیں۔

۵۱۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو مختلف آزمائشوں سے گذارتا رہا ہے، تاکہ ان کے رجوع وانابت میں اور اضافہ ہو اور ان کا مقام اور بلند ہوجائے۔ حضرت سلیمان کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک خاص آزمائش میں ڈالا تھا جس کی تفصیل قرآن نے نہیں بتلائی، بلکہ اشارہ پر اکتفاء کیا کیونکہ پیش نظر مقصد کیلئے یہ بات کافی تھی۔

آیت کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان (علیہ السلام) کی کرسی (تخت) پر غیر معمولی طریقہ سے ایک دھڑ ڈال دیا تھا۔ یہ دھڑ انسان کا ہی رہا ہوگا اور جب حضرت سلیمان نے دیکھا ہوگا کہ میرے تخت پر یہ کون شخص آکر بیٹھا ہے تو گھبرا گئے ہوں گے لیکن جب انہوں نے قریب سے دیکھا ہوگا تو ایک بے جان انسان کے دھڑ کو دیکھ کر انہیں حیرت ہوئی ہوگی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ مگر وہ بیدار دل تھے اس لئے ان کا ذہن فوراً اس بات کی طرف منتقل ہوگیا کہ غیر معمولی طریقہ پر ایک بے جان انسان کے دھڑ کا ان کے تخت پر گرا ہونا اللہ کی طرف سے آزمائش ہے۔ اور ہوسکتا ہے یہ آزمائش فرائض سلطنت کو انجام دینے کے سلسلہ میں کسی قصور کی بنا پر ہوئی ہو اور اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں متنبہ کرنا چاہا ہو۔ اس لئے انہوں نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ ان کے کردار کی بلندی کا یہی وہ خاص پہلو ہے جس کو یہاں پیش کرنا مقصود ہے۔ ایک عظیم سلطنت کے فرمانروا ہونے کے باوجود ان کے عجز و نیاز کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے قصوروں کی اللہ سے معافی مانگتے اور دل کی انابت کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے۔

ہم نہیں سمجھتے کہ آیت کے اس ظاہری مفہوم کو چھوڑ کر تاویلات میں پڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ مگر بعض مفسرین نے آیت کی تاویل میں بے سروپا قصے نقل کئے ہیں، جو اس قدر بے ہودہ ہیں کہ ان کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کرنا بڑی ہی سادہ لوحی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکایتوں اور روایتوں کو قبول کرنے کے معاملہ میں طبری جیسے مفسر کا معیار کتنا گھٹیا رہا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے ان قصوں کو اسرائیلیات میں سے قرار دیتے ہوئے لکھا ہے:

''ابن جریر اور ابن ابی حاتم وغیرہ مفسرین نے اس سلسلہ میں سلف کے ایک گروہ سے بکثرت اقوال نقل کئے ہیں جن میں سے اکثر بلکہ تمام تر اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں اور ان میں سے اکثر اقوال میں سخت نکارت پائی جاتی ہے۔'' (البدایۃ والنہایۃ ج ۲ ص ۲۶)

اور بعض مفسرین نے بخاری و مسلم کی اس حدیث کو اس آیت کی تفسیر قرار دیا ہے، جس میں حضرت سلیمان کے ایک موقع پر انشاء اللہ نہ کہنے اور اس کے نتیجہ میں ان کی بیوی سے ناقص بچہ پیدا ہونے کا قصہ بیان ہوا ہے مگر یہ حدیث نکارت (نامناسب باتوں) سے پُر ہونے کے باوجود اگر بالفرض صحیح تسلیم کرلی جائے تو اس کو اس آیت کی تفسیر نہیں قرار دیا جاسکتا کیونکہ اس میں اس واقعہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا گیا ہے جو اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ (عبدالوہاب نجار نے اس حدیث کو بوجوہ ناقابل قبول قرار دیا ہے۔ (قصص القرآن ص ۳۲۹۔۳۳۱)

۵۲۔ یعنی ایسی حکومت جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثال ہو۔ حضرت سلیمان کی یہ دعا مقبول ہوئی اور ہَوا، اور جنوں کو ان کے تابع کردیا گیا، جیسا کہ بعد والی آیتوں میں بیان ہوا ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں بڑی بڑی سلطنتیں قائم ہوئیں لیکن جو خصوصیات حضرت سلیمان کی سلطنت کی تھیں وہی ان کا طرۂ امتیاز قرار پائیں۔

حضرت سلیمان نے یہ بے مثال حکومت کسی ذاتی غرض سے طلب نہیں کی تھی بلکہ نہایت پاکیزہ جذبات کے ساتھ اعلائے کلمۃ اللہ (اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے) اور اسلامی حکومت کی، تمام غیر اسلامی حکومتوں پر برتری ظاہر کرنے کیلئے کی تھی نیز اس لئے بھی کہ اللہ کی قدرت کی کرشمہ سازیوں کا ایک نبی کے حق میں ظہور ہو۔

۵۳۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ انبیاء نوٹ ۱۰۹۔ اور سورۂ سبا نوٹ ۲۳۔

۵۴۔ مراد سرکش جن ہیں۔ مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۱۱۰۔ اور سورۂ نمل نوٹ ۲۵۔

۵۵۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ سبا نوٹ ۲۷۔

۵۶۔ ایسے جن جو سمندر میں غوطہ لگا کر موتی وغیرہ نکالتے۔

۵۷۔ یعنی سرکش جن سلیمان (علیہ السلام) کی قید و بند میں رہتے تھے۔ جن ایک نہ دکھائی دینے والی مخلوق ہے اس لئے ان کو جکڑنے والی زنجیریں بھی مخصوص قسم کی رہی ہوں گی۔

۵۸۔ بے حساب بخشش کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اللہ کو اس کا حساب دینا نہیں ہے۔ ایک نبی پر بھی حکومت کے تعلق سے عدل وغیرہ کی جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں ان کا ذکر اوپر آیت ۲۶ میں ہوا ہے۔ اس لئے اس قسم کے معنی لینے کی یہاں گنجائش نہیں ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بخشش نہایت وافر اور کثیر ہے۔ قرآن میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ (اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ سورہ بقرہ آیت ۲۱۲) اس آیت میں بھی بغیر حساب (بے حساب) سے مراد کثیر رزق ہے جو اندازوں اور توقعات سے بڑھ کر ہو نہ کہ ایسا رزق جس پر آخرت میں حساب ہونے والا نہ ہو۔

۵۹۔ یعنی ان جنوں میں سے جو تمہارے قابو میں کر دیئے گئے ہیں۔ جن کو چاہو احسان کر کے چھوڑ دو اور جن کو چاہو خدمت کیلئے روک رکھو۔

۶۰۔ مراد جنت ہے۔

۶۱۔ ایوب (علیہ السلام) کے حالات کے بارے میں دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۱۱۱ تا ۱۱۳۔

۶۲۔ یعنی مجھے دونوں طرح تکلیف پہنچی ہے، بیماری کا دکھ بھی اور گھر والوں کے بچھڑنے کا غم بھی۔ یہ تکلیفیں اللہ کی مشیت ہی سے پہنچی تھیں، کیونکہ اللہ ہی نفع ونقصان پہنچانے والا ہے۔ اسی لئے حضرت ایوب نے تکلیفوں کو دور کرنے کیلئے اللہ ہی سے فریاد کی، لیکن ان کو شیطان کی طرف اس لئے منسوب کیا گیا کہ اس آزمائش میں جو اللہ کی طرف سے تھی شیطان کی شرارت کے نتیجے میں پیش آئی تھی۔ یہ شرارت کیا تھی ہمیں نہیں معلوم۔ ہوسکتا ہے شیطان کے اکسانے پر کسی قبیلہ نے غارتگری کی ہو اور اس میں حضرت ایوب کے گھر والے بچھڑ گئے ہوں۔ اور اس غم میں حضرت ایوب بیمار پڑ گئے ہوں اور اس بیماری نے پھر شدت اختیار کی ہو۔ اس لئے انہوں نے اپنے دکھ اور قلبی تکلیف کا سبب شیطان کو قرار دیا ہو اور حقیقتِ حال کا علم اللہ ہی کو ہے۔

حضرت ایوب اگرچہ سخت بیمار پڑ گئے تھے جس میں ان کے صبر کا امتحان ہوا۔ لیکن یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ ان کو کوئی ایسی بیماری ہوگئی تھی جس سے نفرت اور کراہیت پیدا ہوتی ہے مثلاً جذام وغیرہ۔ نبی بیمار ہوتا ہے مگر ایسی کسی بیماری میں مبتلا نہیں کیا جاتا کہ لوگ اس کے قریب آنے نہ پائیں، کیونکہ ایسی صورت میں نہ صرف نبوت کا مقام متاثر ہوتا ہے، بلکہ دعوت وارشاد اور اصلاح وتربیت کا کام بھی متاثر ہوجاتا ہے، جس کیلئے ایک نبی کی بعثت ہوتی ہے۔

بائبل میں سفرِ ایوب کے نام سے جو صحیفہ ہے وہ شاعری اور نثر کا مجموعہ ہے جس میں بڑے مبالغہ آمیز انداز میں قصہ گوئی کی گئی ہے۔ اس کے مضامین سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ایوب کے واقعہ کو بالکل غلط طریقہ پر اور افسانوی رنگ میں پیش کیا گیا ہے۔ بائبل کا شارح لکھتا ہے کہ اس کے مصنف کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون تھا:

"Despite our richer acquaintance with the background of Job, the name of the author remains quite unknown to us." (The Interpreters one - Vol Commentary on the bible. P.239)

مگر اہلِ کتاب سے سن کر راویوں نے بھی حضرت ایوب کے بارے میں عجیب وغریب قصے بیان کئے جو تفسیروں میں نقل ہوئے ہیں۔ ان ناقابلِ اعتبار قصوں کا شیخ محمد بن ابوشہبہ نے اپنی کتاب الاسرائیلیات والموضوعات فی کتاب التفسیر میں بڑا اچھا جائزہ لیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''حقیقت یہ ہے کہ اس قصہ کے تانے بانے نہایت کمزور ہیں اور وہ تنقید کے آگے ٹک نہیں سکتا۔ اس کی تائید نہ عقل سلیم کرتی ہے اور نہ نقل صحیح۔ حضرت ایوب جس مرض میں مبتلا ہوئے تھے وہ نفرت اور کراہیت پیدا کرنے والا نہیں تھا بلکہ ایسا مرض تھا جس کا اثر جلد پر ظاہر نہیں ہوتا جیسے رومیٹزم، امراض مفاصل اور ہڈیوں وغیرہ کے امراض۔'' (کتاب مذکور ص ۲۸۱)

تعجب ہے کہ صاحبِ تدبرِ قرآن نے بھی بائبل کی کتاب سفرِ ایوب پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی بیماری کے بارے میں بعض نامناسب باتوں کا ذکر کیا ہے۔

۶۳۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب کی دعا سن لی اور ان کو صحت حاصل کرنے کا یہ طریقہ بتایا کہ وہ اپنا پاؤں زمین پر ماریں، جس سے ٹھنڈے پانی کا ایک چشمہ جاری ہوگا۔ اس پانی میں غسل بھی کرلو اور اس کو پی بھی لو۔ حضرت ایوب نے اس ہدایت پر عمل کیا اور صحت یاب ہوگئے۔ ٹھنڈے پانی کے چشمہ کا اس طرح جاری ہونا اللہ کی طرف سے اپنے نبی کے حق میں ایک غیر معمولی (خارقِ عادت) چیز کا ظہور تھا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ٹھنڈے پانی سے غسل بعض بیماریوں میں شفایابی کا ذریعہ بن سکتا ہے۔

یہ یاددہانی ہے۔اور یقیناً متقیوں کے لئے بہترین ٹھکانا ہے۔
ہیشگی کی جنتیں جن کے دروازے ان کیلئے کھلے ہونگے۔ان
میں وہ تکیۓ لگائے بیٹھے ہوں گے۔ بہت سے میوے
اورمشروبات طلب کررہے ہوں گے۔اوران کے پاس نیچی
نگاہوں والی ہم سن عورتیں ہونگی۔ یہ ہے وہ چیز جس کاتم سے
حساب کے دن کے لئے وعدہ کیا جارہاتھا۔(القرآن)

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنَّا وَذِكْرٰى لِاُولِى الْاَلْبَابِ ﴿۴۳﴾	۴۳ ہم نے اس کو اس کے اہل وعیال عطا کئے اوران کے ساتھ اتنے اور بھی ۶۴۔ اپنی رحمت کے طور پر ۶۵۔ اوردانشمندوں کیلئے یاددہانی کے طور پر۔۶۶۔
وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ۭ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ۭ نِعْمَ الْعَبْدُ ۭ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾	۴۴ (اور ہم نے اس کو ہدایت کی کہ) تنکوں کا ایک مٹھا (گھچا) اپنے ہاتھ میں لے لو اور اس سے مارو اور اپنی قسم نہ توڑو ۶۷۔ ہم نے اسے صابر پایا۔ بڑا اچھا بندہ۔ اپنے رب کی طرف بڑا ہی رجوع کرنے والا تھا۔
وَاذْكُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اُولِى الْاَيْدِيْ وَالْاَبْصَارِ ﴿۴۵﴾	۴۵ اور ہمارے بندوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کو یاد کرو جو قوتِ عمل ۶۸۔ اور بینائی رکھنے والے تھے۔۶۹۔
اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ﴿۴۶﴾	۴۶ ہم نے ان کو خالص کر لیا تھا اُس گھر کی یاددہانی کیلئے۔۷۰۔
وَاِنَّهُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَيْنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۷﴾	۴۷ یقیناً وہ ہمارے ہاں چُنے ہوئے نیک بندوں میں سے ہیں۔
وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَذَا الْكِفْلِ ۭ وَكُلٌّ مِّنَ الْاَخْيَارِ ﴿۴۸﴾	۴۸ اور اسمٰعیل، الیسع ۷۱۔ اور ذوالکفل ۷۲۔ کو یاد کرو۔ یہ سب نیک بندوں میں سے تھے۔
هٰذَا ذِكْرٌ ۭ وَاِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۴۹﴾	۴۹ یہ یاددہانی ہے ۷۳۔ اور یقیناً متقیوں کیلئے بہترین ٹھکانا ہے۔
جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ﴿۵۰﴾	۵۰ ہمیشگی کی جنتیں جن کے دروازے ان کیلئے کھلے ہونگے۔۷۴۔
مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّشَرَابٍ ﴿۵۱﴾	۵۱ ان میں وہ تکیے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ بہت سے میوے اور مشروبات طلب کر رہے ہوں گے۔
وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ﴿۵۲﴾	۵۲ اور ان کے پاس نیچی نگاہوں والی ۷۵۔ ہم سن ۷۶۔ عورتیں ہونگی۔
هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿۵۳﴾	۵۳ یہ ہے وہ چیز جس کا تم سے حساب کے دن کیلئے وعدہ کیا جا رہا تھا۔
اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ﴿۵۴﴾	۵۴ یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔۷۷۔
هٰذَا ۭ وَاِنَّ لِلطّٰغِيْنَ لَشَرَّ مَاٰبٍ ﴿۵۵﴾	۵۵ یہ ہے متقیوں کا (انجام) اور سرکشوں کے لئے بہت بُرا ٹھکانا ہے۔۷۸۔
جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۚ فَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۵۶﴾	۵۶ جہنم جس میں وہ داخل ہوں گے، تو کیا ہی بری جگہ ہے وہ!

۶۴۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے اسباب کر دئے کہ ان کا بچھڑا ہوا خاندان بھی ان کے پاس واپس آ گیا نیز ان کی بیوی بچوں میں مزید اضافہ ہوا۔یعنی ان کی تعداد دگنی ہوگئی۔

۶۵۔ حضرت ایوب جب امتحان میں پورے اترے اور صبر کی اونچی مثال پیش کی، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے اس طرح نوازا کہ انہوں نے نہ صرف اپنی کھوئی ہوئی چیزیں پالیں، بلکہ مزید نعمتیں بھی انہیں حاصل ہوگئیں۔

۶۶۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ انبیاء نوٹ ۱۱۴۔

۶۷۔ قرآن نے یہ صراحت نہیں کی کہ یہ حکم کس کو مارنے کے لئے دیا گیا تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ دورانِ مرض حضرت ایوب کے صبر میں کوئی مخل ہو رہا تھا اور وہ ان ہی کے متعلقین میں سے تھا۔ ہوسکتا ہے وہ ان کا غلام رہا ہو اور جب اس نے اللہ کے بارے میں شکوہ شکایت کی باتیں کی ہوں، تو حضرت ایوب علیہ السلام نے غیرتِ ایمانی کی بنا پر قسم کھا کر کہا ہو کہ اس کی سرزنش کے لئے وہ اس کو کوڑوں سے ماریں گے۔لیکن صحت بحال ہونے کے بعد اس غلام نے معافی مانگ لی ہو اور بیماری میں ان کی خدمت بھی کرتا رہا ہو، اس لئے حضرت ایوب کے لئے یہ مسئلہ پیدا ہوگیا ہو کہ اگر وہ غلام کو مارتے ہیں، تو بدلے ہوئے حالات میں ایک نامناسب صورت ہوگی۔ اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو قسم ٹوٹ ناہوگی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کیلئے یہ تخفیف کر دی کہ وہ تنکوں کا ایک گچھا لے کر اس سے ماریں۔ اس طرح مار بھی نہیں لگے اور قسم بھی پوری ہو جائے گی۔ یہ مخصوص صورتِ حال کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لئے نرمی اور آسانی کا معاملہ تھا۔ اس سے یہ بات تو نکلتی ہے کہ اگر ایک شرعی حکم کی تعمیل کسی معقول عذر کی بنا پر پوری طرح نہ ہوسکتی ہو، تو کم از کم اس کی ظاہری صورت کو ضرور برقرار رکھا جائے تاکہ تعمیل حکم کا احساس باقی رہے۔لیکن اس میں حیلوں کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اور ناجائز کو جائز قرار دینے کیلئے جو بدترین حیلے ''شرعی حیلوں'' کے نام سے اختیار کئے جاتے ہیں، وہ شریعت سے فرار کی بہت بھونڈی شکلیں ہیں۔ اس سلسلہ میں بخاری کتاب الحیل کا مطالعہ کافی مفید ہوگا۔ امام بخاری نے اس میں حدیثوں کے حوالہ سے حلیہ بازی کرنے والوں پر سخت گرفت کی ہے۔

۶۸۔ یعنی یہ سب باعمل تھے۔ انہوں نے اپنی قوت اللہ کی عبادت واطاعت اس کے دین کی دعوت تعلیم وتذکیر اور اس کا بول بالا کرنے میں صرف کی۔

۶۹۔ یعنی وہ دیدۂ بینا رکھتے تھے۔ واقعات کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھتے اور علم وبصیرت کی روشنی میں چلتے۔

۷۰۔ اس گھر سے مراد آخرت کا گھر ہے۔ حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام جو آسمان نبوت کے روشن ستارے ہیں آخرت کی یاد دہانی کیلئے خاص کر لئے گئے تھے، وہ خود بھی آخرت کی فکر میں ڈوبے رہتے تھے اور ان کا مشن بھی یہی تھا کہ لوگ نجاتِ اُخروی کی فکر کریں اور آخرت کی کامیابی کو اپنا نصب العین بنائیں۔

آخرت کی یاد دہانی انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا نہایت اہم اور امتیازی پہلو ہے۔ مگر موجودہ زمانہ میں جو لوگ دعوتِ اسلامی کو لیکر اٹھے ہیں وہ آخرت کی یاد دہانی کا کچھ زیادہ اہتمام کرتے دکھائی نہیں دیتے۔

۷۱۔ ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۱۴۸۔

۷۲۔ ملاحظہ ہو سورۂ انبیاء نوٹ ۱۱۶۔

۷۳۔ یعنی ان نیک بندوں کا جو ذکر ہوا اور ان کے جو احوال سنائے گئے وہ تذکیر (یاد دہانی) کیلئے ہیں محض قصے سنانا مقصود نہیں ہے۔

۷۴۔ یعنی متقیوں کے استقبال کیلئے جنت کے دروازے کھلے ہونگے۔

۷۵۔ یعنی شرمیلی عورتیں جو اپنے شوہروں کے سوا کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنا پسند نہیں کرتیں۔

۷۶۔ یعنی سب یکساں عمر کی جوان عورتیں ہوں گی خواہ دنیا میں وہ کتنی ہی بڑی عمر کی رہی ہوں۔ جنت میں نہ کوئی عورت بوڑھی ہوگی اور نہ کوئی مرد۔ دونوں یکساں جوان ہوں گے۔

۷۷۔ یعنی جنت کی یہ نعمتیں ان کو ہمیشہ ملتی رہیں گی۔ ان کا سلسلہ کبھی ختم ہونے والا نہیں۔

۷۸۔ اوپر ان لوگوں کا انجام بیان کیا گیا تھا جو اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کی بندگی میں زندگی گزارتے ہیں۔ اب ایسے لوگوں کا انجام بیان کیا جا رہا ہے جو اس کی عبادت و اطاعت سے منہ موڑ کر باغیانہ طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ اس طرح اخروی انجام کے دونوں رُخ پیش کر دئے گئے ہیں، تا کہ قرآن کا ہر قاری سوچ لے کہ وہ اپنے لئے کس انجام کو پسند کرتا ہے۔

کہو میں تو خبردار کردینے والا ہوں ۔ اور اللہ
واحد وقہار کے سوا کوئی معبود نہیں ۔آسمانوں اور
زمین اوران کے درمیان کی ساری موجودات کا
مالک۔غالب اور بخشنے والا۔ (القرآن)

هٰذَا ۙ فَلْيَذُوْقُوْهُ حَمِيْمٌ وَّغَسَّاقٌ ﴿۵۷﴾

۵۷ یہ ہے ان کے لئے۔ تو وہ اس کا مزا چکھیں یعنی کھولتے ہوئے پانی اور پیپ کا۔

وَّاٰخَرُ مِنْ شَكْلِهٖۤ اَزْوَاجٌ ؕ ﴿۵۸﴾

۵۸ اور اسی قسم کی دوسری چیزوں کا۔ ۷۹؎

هٰذَا فَوْجٌ مُّقْتَحِمٌ مَّعَكُمْ ۚ لَا مَرْحَبًۢا بِهِمْ ؕ اِنَّهُمْ صَالُوا النَّارِ ﴿۵۹﴾

۵۹ یہ لشکر ہے جو تمہارے ساتھ (جہنم میں) گرنے والا ہے۔ ان لوگوں کے لئے خوش آمدید نہیں۔ یہ آگ میں داخل ہونے والے ہیں۔ ۸۰؎

قَالُوْا بَلْ اَنْتُمْ ۟ لَا مَرْحَبًۢا بِكُمْ ؕ اَنْتُمْ قَدَّمْتُمُوْهُ لَنَا ۚ فَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۶۰﴾

۶۰ وہ جواب دیں گے بلکہ تمہارے لئے خوش آمدید نہیں۔ تم ہی نے ہمیں اس انجام کو پہنچایا ۸۱؎ ۔ تو بہت بُرا ہے یہ ٹھکانا۔

قَالُوْا رَبَّنَا مَنْ قَدَّمَ لَنَا هٰذَا فَزِدْهُ عَذَابًا ضِعْفًا فِي النَّارِ ﴿۶۱﴾

۶۱ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! جن لوگوں نے ہمیں اس انجام کو پہنچایا ان کو دوزخ میں دوہرا عذاب دے۔ ۸۲؎

وَقَالُوْا مَا لَنَا لَا نَرٰى رِجَالًا كُنَّا نَعُدُّهُمْ مِّنَ الْاَشْرَارِ ؕ ﴿۶۲﴾

۶۲ اور وہ کہیں گے کیا بات ہے ہم ان لوگوں کو (یہاں) نہیں دیکھ رہے ہیں، جنہیں ہم اشرار میں شمار کرتے تھے ۸۳؎ ۔

اَتَّخَذْنٰهُمْ سِخْرِيًّا اَمْ زَاغَتْ عَنْهُمُ الْاَبْصَارُ ﴿۶۳﴾

۶۳ ہم نے ان کو مذاق بنالیا تھا، یا نگاہیں ان سے چوک گئی ہیں۔ ۸۴؎

اِنَّ ذٰلِكَ لَحَقٌّ تَخَاصُمُ اَهْلِ النَّارِ ؑ ﴿۶۴﴾

۶۴ بے شک دوزخیوں کی یہ باہمی تکرار ایک امر واقعہ ہے۔ ۸۵؎

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا مُنْذِرٌ ۖۗ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۚ ﴿۶۵﴾

۶۵ کہو میں تو خبردار کردینے والا ہوں۔ اور اللہ واحد وقہار ۸۶؎ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ﴿۶۶﴾

۶۶ آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی ساری موجودات کا مالک۔ غالب اور بخشنے والا۔ ۸۷؎

قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ ۙ ﴿۶۷﴾

۶۷ کہو یہ بہت بڑی خبر ہے۔ ۸۸؎

اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ﴿۶۸﴾

۶۸ جس سے تم بے توجہی برت رہے ہو۔ ۸۹؎

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍۭ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰۤى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۶۹﴾

۶۹ مجھے ملاءِ اعلیٰ (عالمِ بالا والوں) کی کوئی خبر نہ تھی جب وہ جھگڑ رہے تھے۔ ۹۰؎

اِنْ يُّوْحٰۤى اِلَيَّ اِلَّاۤ اَنَّمَاۤ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۰﴾

۷۰ میری طرف وحی صرف اس لئے کی جاتی ہے کہ میں کھلا خبردار کرنے والا ہوں ۹۱؎ ۔

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ ﴿۷۱﴾

۷۱ جب تمہارے رب نے فرشتوں سے کہا میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں۔ ۹۲؎

۷۹۔ یعنی اسی قسم کے دوسرے عذابوں کا انہیں مزہ چکھنا ہوگا۔ انسان اگر غور کرے تو اس کے تصور ہی سے کانپ اٹھے۔

۸۰۔ ان آیتوں میں جہنم میں داخل ہونے والوں کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے۔ سرکش لیڈر اور پیشوا جب جہنم کے قریب پہنچ جائیں گے تو دیکھیں گے کہ ان کے پیچھے ان کے پیروؤں (عوام) کا لشکر بھی چلا آرہا ہے۔ وہ (پیشوا) آپس میں کہیں گے کہ یہ لشکر بھی تمہارے (یعنی ہمارے) ساتھ جہنم میں گرنے والا ہے۔ ان کیلئے خوش آمدید نہیں یعنی بڑی ذلت کا سامنا ہے۔

۸۱۔ پیرو (عوام) اپنے پیشواؤں اور لیڈروں کو جواب دیں گے۔ ذلت و رسوائی دراصل تمہارے لئے ہے، کیونکہ تم ہی نے ہمیں اس بُرے انجام کو پہنچایا۔ یعنی عوام اپنے گمراہ ہونے کی ذمہ داری اپنے لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں پر ڈالیں گے۔

۸۲۔ پھر وہ اپنے رب سے فریاد کریں گے کہ ہمیں جن لوگوں نے گمراہ کیا تھا، ان کو دوہرا عذاب دے کہ ایک عذاب اپنے گمراہ ہونے کا اور دوسرا ہمیں گمراہ کرنے کا۔

۸۳۔ مراد اہل ایمان ہیں جن کو یہ کافر شریر خیال کرتے رہے، کیونکہ ان کے نزدیک دینِ حق کی دعوت فرقہ بندی کی دعوت تھی اور وہ سمجھتے تھے کہ بت پرستی اور مشرکانہ عقائد کی مخالفت سماج میں پھوٹ ڈالنے کا باعث ہے۔

۸۴۔ یہ ان کافروں کی طرف سے تعجب کا اظہار ہے کہ آیا ہم نے ان لوگوں کو مذاق بنالیا تھا جب کہ وہ نیک تھے، یا وہ کہیں اور ہیں اور ہماری نگاہیں ان کو دیکھنے سے قاصر ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ان جہنمیوں کو اس وقت اس بات کا احساس ہوگا کہ، جن لوگوں کو ہم ان کے ایمان لانے کی بنا پر شریر قرار دیتے رہے وہ واقعی شریر نہ تھے۔ اسی لئے آج وہ ہمارے ساتھ اس انجام کو پہنچنے کیلئے موجود نہیں ہیں۔

۸۵۔ یعنی جہنم میں داخل ہونے کے موقع پر گمراہ لیڈروں اور ان کے پیچھے چلنے والی بھیڑ میں جو بحث و تکرار ہوگی وہ بالکل سچی بات ہے، جو لازماً وقوع میں آئے گی اور قرآن اس سے پیشگی آگاہ کررہا ہے تاکہ لوگ ہوش میں آئیں۔

۸۶۔ قہار یعنی زبردست جو ہر چیز کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے اور کوئی بھی اس کے قابو سے باہر نہیں اور جس کے احکام بزور سب پر نافذ ہوتے ہیں۔

۸۷۔ اللہ کی یہ معرفت کہ وہ قہار ہے، کائنات کا مالک ہے اور سب پر غالب ہے، دلوں کے اندر اس کا خوف اور تقویٰ پیدا کردیتی ہے اور اس کی یہ معرفت کہ وہ بخشنے والا ہے، بندوں کو اس بات کے لئے آمادہ کرتی ہے کہ وہ اپنے گناہوں کی اس سے معافی مانگیں۔

۸۸۔ یعنی قیامت کی خبر۔ جب وہ واقعات پیش آئیں گے جو اوپر بیان ہوئے، ایک زبردست حادثہ کی خبر ہے۔ ایسی خبر جس کو سنتے ہی لوگوں کو چونک جانا چاہئے۔

۸۹۔ یعنی تمہارا حال بہت عجیب ہے کہ قیامت کی اتنی زبردست خبر سنکر بھی ٹس سے مس نہیں ہوتے اور نجات کی فکر تمہیں لاحق نہیں ہوتی۔

۹۰۔ مراد وہ واقعہ ہے جو آگے بیان ہوا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اور ابلیس کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدم کو سجدہ کریں، تو فرشتے حکم کی تعمیل کیلئے فوراً آمادہ ہوگئے، لیکن ابلیس پر یہ حکم شاق گزرا۔ اس لئے وہ اس مسئلہ میں فرشتوں سے الجھنے اور اپنی منطق چلانے لگا۔ یہ قصہ عالم بالا کا ہے جہاں فرشتوں کے ساتھ اس وقت ابلیس بھی موجود تھا اور ان کے درمیان آدم کو سجدہ کرنے کے مسئلہ میں تکرار ہوئی تھی۔

۹۱۔ یعنی ملاءِ اعلیٰ کی یہ خبریں میرے پاس وحی کے ذریعہ پہنچ رہی ہیں۔ ورنہ میں ان واقعات سے بے خبر تھا اور میرے پاس وحی (اللہ کا پیغام) اس لئے پہنچ رہی ہے کہ میں لوگوں کو خبردار کروں۔

۹۲۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ حجر نوٹ ۲۴۔

فَإِذَا سَوَّيْتُهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ ﴿٧٢﴾

فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ ﴿٧٣﴾

إِلَّا إِبْلِيسَ اسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾

قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَن تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ ۖ
أَسْتَكْبَرْتَ أَمْ كُنتَ مِنَ الْعَالِينَ ﴿٧٥﴾

قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۖ خَلَقْتَنِي مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ
مِن طِينٍ ﴿٧٦﴾

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٧٧﴾

وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ ﴿٧٨﴾

قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ ﴿٧٩﴾

قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ﴿٨٠﴾

إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ ﴿٨١﴾

قَالَ فَبِعِزَّتِكَ لَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٢﴾

إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ ﴿٨٣﴾

قَالَ فَالْحَقُّ وَالْحَقَّ أَقُولُ ﴿٨٤﴾

لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنكَ وَمِمَّن تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٨٥﴾

قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ ﴿٨٦﴾

إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ ﴿٨٧﴾

وَلَتَعْلَمُنَّ نَبَأَهُ بَعْدَ حِينٍ ﴿٨٨﴾

[۷۲] تو جب میں اس کو ٹھیک ٹھیک بنالوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں ۹۳؎ تو تم اس کے آگے سجدہ میں گر جانا۔

[۷۳] چنانچہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ ۹۴؎

[۷۴] سوائے ابلیس کے ۹۵؎ ۔اس نے گھمنڈ کیا اور کافروں میں سے ہو گیا۔ ۹۶؎

[۷۵] فرمایا: اے ابلیس! تجھے کس چیز نے اس کو سجدہ کرنے سے روکا جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے؟ ۹۷؎ تو نے گھمنڈ کیا یا تو سرکش ہو گیا ہے۔

[۷۶] اس نے کہا میں اس سے بہتر ہوں۔تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے۔ ۹۸؎

[۷۷] فرمایا یہاں سے نکل جا ۹۹؎ ۔تو مردود ہے۔

[۷۸] اور تجھ پر میری لعنت ہے روزِ جزا تک۔ ۱۰۰؎

[۷۹] اس نے کہا اے میرے رب! مجھے اس دن تک کیلئے مہلت دے جب لوگ اٹھائے جائیں گے۔

[۸۰] فرمایا تجھے مہلت دی گئی۔ ۱۰۱؎

[۸۱] اس دن تک کیلئے جس کا وقت مقرر ہے۔ ۱۰۲؎

[۸۲] اس نے کہا تیری عزت کی قسم۔ ۱۰۳؎ میں ان سب کو بہکا کر رہوں گا۔ ۱۰۴؎

[۸۳] بجز تیرے ان بندوں کے جن کو تو نے خالص کر لیا ہو۔ ۱۰۵؎

[۸۴] فرمایا تو حق یہ ہے اور میں حق ہی کہتا ہوں۔ ۱۰۶؎

[۸۵] کہ میں جہنم کو تجھ سے اور ان سب سے بھر دوں گا جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے۔ ۱۰۷؎

[۸۶] کہو میں اس پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا ۱۰۸؎ اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔ ۱۰۹؎

[۸۷] یہ تو ایک یاد دہانی ہے تمام دنیا والوں کیلئے۔ ۱۱۰؎

[۸۸] اور تھوڑی ہی مدت بعد تم کو اس کی (دی ہوئی) خبر معلوم ہو جائے گی۔ ۱۱۱؎

۹۳۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ حجر نوٹ ۲۷۔

۹۴۔ یہ سجدہ، سجدۂ عبادت سے بالکل مختلف آدم کی صرف تکریم کے لئے تھا، جس کا حکم اللہ تعالیٰ ہی نے دیا تھا۔ اس سے بزرگوں اور قبروں کے آگے تعظیمی سجدہ کرنے کیلئے کوئی وجہ جواز نہیں ہے۔ کیوں کہ اللہ نے نہ بزرگوں کی تعظیم کیلئے سجدہ کرنے کا حکم دیا ہے اور نہ اولیاء کی قبروں کے آگے سجدہ کرنے کا۔

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۴۷۔

۹۵۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۴۸۔

۹۶۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۴۹۔

۹۷۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ میں نے آدم کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا ہے، تخلیقِ آدم کی شان کو واضح کرتا ہے۔ یعنی یہ اللہ کی ممتاز مخلوق ہے جس میں اعلیٰ صلاحیتیں ودیعت ہوئی ہیں اور ایسی فضیلت اسے بخشی گئی ہے کہ گویا وہ اللہ کی تخلیق کا شاہکار ہے۔

یہاں اللہ کے ہاتھوں کا جو ذکر ہوا ہے تو اس کی کوئی تاویل کرنا صحیح نہیں۔ اللہ نے اپنی معرفت جس طور سے بخشی ہے، اس کو اسی طرح قبول کرنا چاہئے۔ سلف کا طریقہ یہی تھا کہ کسی بحث میں پڑے بغیر ان باتوں پر جیسی کہ وہ بیان ہوئی ہیں ایمان لاتے تھے اور سلامتی کی راہ یہی ہے۔

۹۸۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۶۔

۹۹۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۷۔

۱۰۰۔ یعنی قیامت تک تجھ پر اللہ کی پھٹکار ہے اور قیامت کا دن تو فیصلہ کا دن ہے۔ اس روز تو قرار واقعی سزا کو پہنچے گا۔

۱۰۱۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۸۔

۱۰۲۔ یعنی قیامت کے دن تک۔

۱۰۳۔ تیری عزت کی قسم یعنی تیری عظمت کی قسم۔

۱۰۴۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۳۶۔

۱۰۵۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ حجر نوٹ ۳۷۔

۱۰۶۔ یعنی اللہ کا ہر ارشاد سچا، مطابق واقعہ اور حقیقتِ واقعہ کا آئنہ دار ہوتا ہے۔

۱۰۷۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۲۲۔

یہاں اس واقعہ کو بیان کرنے سے مقصود منکرین قرآن کو اس بات پر متنبہ کرنا ہے کہ وہ شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں۔ وہ نہیں چاہتا کہ انسان ہدایت کی راہ اختیار کرے اور منکرین یہ بھی یاد رکھیں کہ جس طرح شیطان گھمنڈ کرنے کے نتیجہ میں لعنت کا مستحق ہوا، اسی طرح وہ بھی گھمنڈ میں مبتلا ہو کر لعنت ہی کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

۱۰۸۔ یعنی غیب کی خبروں پر مشتمل اللہ کا یہ پیغام، جو میں تمہیں پہنچا رہا ہوں اس پر نہ تم سے کسی معاوضہ کا طالب ہوں اور نہ اس کے پیچھے میری کوئی دنیوی غرض ہے۔ بلکہ اپنے فرائض کی ادائیگی اور تمہاری خیر خواہی کیلئے بے لوث ہو کر تبلیغ کی یہ خدمت انجام دے رہا ہوں۔

۱۰۹۔ یعنی میری باتیں بالکل صاف اور بے لاگ ہیں۔ بناوٹ کر کے میں نے کوئی بات بھی نہیں کہی ہے۔ اس لئے جن باتوں کی میں خبر دے رہا ہوں

ان میں شک وشبہ کی ذرا بھی گنجائش نہیں۔

۱۱۰۔ یعنی یہ قرآن تمام اقوام عالم کے لئے اللہ کی طرف سے یاددہانی اور نصیحت کے طور پر نازل ہوا ہے لہٰذا کسی گروہی، قومی اور مذہبی تعصب میں مبتلا ہوئے بغیر اس کی تذکیر سے فائدہ اٹھاؤ۔

۱۱۱۔ یعنی قرآن غیب کی جو خبریں دے رہا ہے ان کی حقیقت عنقریب تم پر کھل جائے گی۔ کچھ تو موت کے وقت کھلے گی اور پوری پوری قیامت کے دن جو جلد ہی قائم ہونے والی ہے۔

۳۹۔اَلــزُّمَــر

نام آیت ۷۱ میں کافروں کو جہنم کی طرف زُمَر کی شکل میں گروہ درگروہ ہنکائے جانے اور آیت ۷۳ میں متقیوں کو زمر کی شکل میں یعنی گروہ در گروہ لے جائے جانے کا ذکر ہوا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام اَلزُّمَر ہے

زمانۂ نزول مکہ کا وسطی دور ہے۔

مرکزی مضمون اطاعت وعبادت کو اللہ کیلئے خالص کرنا ہے۔

نظم کلام آیت ۱تا۸ میں قرآن کی اس بنیادی تعلیم کو بہ دلائل پیش کیا گیا ہے کہ دین خالص اللہ ہی کے لئے ہے۔

آیت ۹ تا ۲۰ میں دونوں گروہوں کا فرق واضح کیا گیا ہے۔ایک وہ جو دین خالص کا پیرو اور صرف اللہ کا پرستار ہے اور دوسرا وہ جو غیر اللہ کا پرستار ہے۔

آیت ۲۱ تا ۳۵ میں قرآن کی رہنمائی کو قبول کرنے والوں کی خصوصیات اور ان کی جزاء بیان کی گی ہے اور اس سے اعراض کرنے والوں کو بُرے نتائج سے آگاہ کیا گیا ہے۔

آیت ۳۶ تا ۵۲ میں اس طور سے فہمائش کی گئی ہے کہ توحید ابھر کر سامنے آئے اور ایمان لانے کا ولولہ پیدا ہو۔

آیت ۵۳ تا ۶۳ میں ان بندگانِ خدا کو جو بے راہ روی میں مبتلا ہیں،اللہ کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔

آیت ۶۴ تا ۷۵ سورہ کے خاتمہ کی آیات ہیں جن میں یہ واضح کرتے ہوئے،کہ توحید کا موقف ہی مضبوط موقف ہے۔قیامت کا ایک منظر پیش کیا گیا ہے،منکرین اور متقین کی گروہوں کی شکل میں اپنی اپنی منزل کی طرف الگ الگ روانگی اور ان کے آخری انجام کو بیان کیا گیا ہے۔

سونے سے پہلے اس سورہ کی تلاوت کرنا۔ترمذی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

کَانَ النَّبِیُّ ﷺ لاَیَنَامُ حَتّٰی یَقْرَاءَ بَنِی اسرائیل وَ الزُّمَر

’’نبی ﷺ سوتے نہ تھے جب تک کہ سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ زمر کی تلاوت نہ کرتے۔‘‘ (ترمذی ابواب فضائل القرآن)

سُوْرَةُ الزُّمَر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ فَاعْبُدِ اللّٰهَ
مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ ②

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ ۭ وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ ۘ
مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ
بَيْنَهُمْ فِيْ مَا هُمْ فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ڛ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ
هُوَ كٰذِبٌ كَفَّارٌ ③

لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۙ
سُبْحٰنَهٗ ۭ هُوَ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ④

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ يُكَوِّرُ الَّيْلَ عَلَى النَّهَارِ
وَيُكَوِّرُ النَّهَارَ عَلَى الَّيْلِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ
لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اَلَا هُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ ⑤

خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَاَنْزَلَ لَكُمْ
مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۭ يَخْلُقُكُمْ فِيْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ خَلْقًا مِّنْۢ
بَعْدِ خَلْقٍ فِيْ ظُلُمٰتٍ ثَلٰثٍ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا
هُوَ ۚ فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ⑥

۳۹۔ سُوْرَۃُ الزُّمَر

آیات: ۷۵

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ اس کتاب کا اتارا جانا اللہ کی طرف سے ہے ۱؎، جو غالب اور حکمت والا ہے۔ ۲؎

۲ یہ کتاب ہم نے تمہاری طرف (مقصدِ) حق کے ساتھ اُتاری ہے ۳؎۔ لہٰذا تم اللہ ہی کی عبادت کرو، دین (عاجزی وبندگی) کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ ۴؎

۳ سنو! خالص دین (بندگی) اللہ ہی کیلئے ہے ۵؎۔ اور جن لوگوں نے اس کے سِوا دوسرے کارساز بنا رکھے ہیں، (اور کہتے ہیں) ہم ان کی عبادت صرف اسلئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں ۶؎۔ اللہ یقیناً ان لوگوں کے درمیان اس بات کا فیصلہ کردے گا جس میں وہ اختلاف کررہے ہیں ۷؎۔ اللہ کسی ایسے شخص کو راہ یاب نہیں کرتا جو جھوٹا اور ناشکرا ہو۔ ۸؎

۴ اگر اللہ بیٹا بنانا چاہتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا چن لیتا۔ وہ پاک ہے (اس سے کہ اس کا بیٹا ہو) ۹؎۔ وہ اللہ ایک ہے سب پر مضبوط گرفت رکھنے والا۔ ۱۰؎

۵ اس نے آسمانوں اور زمین کو بامقصد پیدا کیا ہے ۱۱؎۔ وہ رات کو دن پر اور دن کو رات پر لپیٹتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو مسخر کر رکھا ہے۔ ہر ایک وقتِ مقرر تک چلا جا رہا ہے ۱۲؎۔ سنو! وہ غالب ہے معاف کرنے والا۔ ۱۳؎

۶ اس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اس سے اس کا جوڑا بنایا ۱۴؎۔ اور اس نے تمہارے لئے مویشیوں کی آٹھ قسمیں (نر و مادہ) پیدا کیں ۱۵؎۔ وہ تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تین تاریکیوں کے درمیان پیدا کرتا ہے ۱۶؎، ایک خلقت کے بعد دوسری خلقت میں ۱۷؎۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اسی کی فرمانروائی ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ۱۸؎۔ پھر تم کو کہاں پھیرا جا رہا ہے؟ ۱۹؎

۱۔ یعنی اس کتاب کا پیغمبر پر نازل کیا جانا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں نہ شیطان کا اور نہ انسان کا۔ یہ آسمان سے اتاری جا رہی ہے نہ کہ پیغمبر اسے تصنیف کر رہے ہیں۔ یہ قرآن کا بہت بڑا دعویٰ ہے، جو اس نے بار بار دہرایا ہے، تاکہ اس کتاب کو لوگ عام مذہبی کتابوں میں سے ایک کتاب نہ سمجھ لیں، بلکہ یہ اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ یہ اللہ کے حضور سے نازل ہوئی ہے اور اس بنا پر وہ نہایت امتیازی شان کی حامل ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ آج دنیا کی کوئی مذہبی کتاب بجز قرآن کے اپنے آپ کو وثوق کے ساتھ اس حیثیت سے پیش نہیں کرتی کہ اس کا نازل کرنے والا اللہ فرمانروائے کائنات ہے۔

۲۔ اللہ عزیز (غالب) ہے اس لئے اس کا منصوبہ نافذ ہو کر رہتا ہے اور اس کا فرمان پورا ہو کر رہتا ہے۔ اور وہ حکیم ہے اس لئے اس کی کتاب بھی حکیمانہ شان کی ہے، جس کا مشاہدہ اس کتاب میں بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ ''حق کے ساتھ نازل کی ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب حق لے کر نازل ہوئی ہے۔ اس کی تعلیم سراسر حق ہے، اور باطل کا اس میں ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہے، اور نہ کوئی بات بے مقصد کہی گئی ہے۔

۴۔ دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ اس فقرہ میں دین کا لفظ بندگی اور عاجزی کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور اس کی تائید قرآن کی ان متعدد آیات سے ہوتی ہے۔ جن میں مشرکین کے اس طرز عمل کا ذکر ہوا ہے کہ جب وہ کسی طوفان وغیرہ سے دوچار ہوتے ہیں، تو اللہ کو پکارتے ہیں دین کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے:

وَاِذَا غَشِيَهُمْ مَّوْجٌ كَالظُّلَلِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ۔ (لقمان:۳۲)

''اور جب موجیں سائبانوں کی طرح ان پر چھا جاتی ہیں تو وہ اللہ کو پکارتے ہیں دین (عاجزی و بندگی) کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے؟''

یہاں 'الدین' کا مطلب دل کا عجز و نیاز اور بندگی ہی ہو سکتا ہے اور یہ مشرکین کی نفسیات کی عکاسی ہے، جو طوفان کی زد میں آنے کی صورت میں ان میں پیدا ہو جایا کرتی تھیں۔ اس لئے آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرو کہ دل کا عجز و نیاز، عقیدت (Devotion) اور شانِ بندگی خالصۃً اسی کے لئے ہو۔ ایسی عبادت نہیں جس میں دل اللہ کے سوا کسی اور کی طرف جھکا ہوا ہو، اور عجز و نیاز اور بندگی کا نذرانہ کسی اور کو بھی پیش کر دیا جائے۔ اللہ اسی عبادت کو قبول فرماتا ہے جو خلوص دل سے خضوع اور بندگی کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے کی گئی ہو۔ یعنی اس عاجزی و بندگی میں نہ ریا وغیرہ کی آمیزش ہو اور نہ غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ۔

واضح رہے کہ لغت میں دین کے معنی اطاعت کے ہیں لیکن محض لغت پر انحصار کر کے قرآن کی اصطلاعات کا جامع مفہوم متعین نہیں کیا جا سکتا، بلکہ ضروری ہے کہ ایسے الفاظ کے سلسلہ میں قرآن کے استعمالات کو بھی پیش نظر رکھا جائے اور محل کلام کی مناسبت سے مفہوم متعین کیا جائے۔

۵۔ یعنی ایسی بندگی جو ہر قسم کے شرک سے پاک ہو اللہ ہی کے لئے خاص ہے اور وہی اس کا مستحق ہے۔ اور دین (بندگی) کے مفہوم میں جیسا کہ اوپر کے نوٹ میں واضح کیا گیا، عاجزی کی وہ کیفیت جو دل میں پیدا ہوتی ہے نیز اپنے بندہ اور غلام ہونے کا احساس شامل ہے۔

۶۔ مشرکین نے فرشتوں کو اپنا کارساز بنایا تھا کہ ان کی پرستش کرو، وہ ہمارے کام بنا دیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے فرشتوں کو وسیلہ بنانا ضروری ہے۔ اور فرشتوں کو وسیلہ بنانے کے لئے وہ ان باتوں کو ان کے حق میں روا رکھتے جو اللہ کیلئے خاص ہیں۔ مثلاً ان سے فریاد کرتے، اپنی حاجتیں ان سے طلب کرتے، مصیبت میں انہیں پکارتے، حالانکہ یہ سب باتیں پرستش میں شامل ہیں۔ اور وہ اس کی توجیہ یہ کرتے کہ ہم فرشتوں کی پرستش اس لئے کرتے ہیں تاکہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کر دیں۔ یعنی فرشتوں کی پرستش اللہ کے قرب کا ذریعہ اور وسیلہ ہے۔ اس آیت میں

ان کی اس پُرفریب توجیہ کو باطل قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی کی پرستش کرنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ وحدہ کی براہِ راست اور پورے اخلاص کے ساتھ پرستش کر کے ہی اس کا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔

جو توجیہ مشرکین مکہ فرشتوں کی پرستش کے سلسلے میں کرتے تھے، وہی توجیہ قبر پرست اولیاء اور پیروں کے معاملہ میں کرتے ہیں کہ ہم ان کی نذر و نیاز اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے وسیلہ سے ہماری رسائی خدا تک ہو۔ اگر وہ قرآن کی ان آیتوں کو بغور پڑھتے تو شیطان کے فریب میں مبتلا نہ ہوتے۔

۷۔ یعنی قیامت کے دن اللہ اپنا فیصلہ نافذ کر دے گا۔

۸۔ یعنی اللہ کے بارے میں جھوٹ بولنے والے اور اس کے نام سے جھوٹی دینداری چلانے والے اور اس کی نعمتوں کو پا کر کسی اور کا شکر کرنے والے اللہ کی ہدایت سے محروم رہتے ہیں، جب تک کہ وہ اپنی اس غلط روش کو چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ ہو جائیں۔

۹۔ یعنی اللہ کیلئے بیٹے اور بیٹیاں ہونے کا تصور سراسر باطل ہے۔ بفرض محال وہ بیٹا بنانا چاہتا تو اس کی صورت یہی ہوسکتی تھی کہ وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو بیٹے کی حیثیت سے چن لیتا، مگر اس صورت میں بیٹا اس کا مملوک اور بندہ ہی رہتا۔ کیونکہ اس کی تمام مخلوق مملوک ہے اور سب اس کے بندے ہیں۔ خدا کا جز تو وہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کیونکہ خدا کا نہ کوئی جز ہوتا ہے اور نہ اس سے کوئی چیز خارج ہوتی ہے۔ کوئی بھی اس جیسا نہیں ہے اللہ نے اپنی مخلوق میں سے بھی کسی کو بیٹے کی حیثیت سے نہیں چنا، کیونکہ کسی کو بیٹے کی حیثیت دینا شانِ خداوندی کے خلاف ہے اور اس سے کمزوری کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اللہ ہر قسم کی کمزوریوں اور عیبوں سے پاک ہے۔ اس کی شان اس سے بہت اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ کسی کو بیٹا بنالے۔

۱۰۔ خدا کے اگر اولاد ہوتی تو خدائی بھی منقسم ہو جاتی (بٹ جاتی)، مگر خدائی ناقابل انقسام ہے (بٹ نہیں سکتی)۔ وہ اکیلا ہے اور سب پر اس کی گرفت مضبوط ہے اس لئے کوئی مخلوق اس کی گرفت سے آزاد نہیں ہوسکتی۔ پھر اس کے لئے اولاد ہونے کا تصور کیا معنی رکھتا ہے!

۱۱۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ انعام نوٹ ۱۲۴۔ اور سورۂ یونس نوٹ ۱۵۔

۱۲۔ تشریح کیلئے ملاحظہ ہو سورۂ رعد نوٹ ۸۔

۱۳۔ وہ غالب ہے اس لئے اس کی نافرمانی سے تمہیں ڈرنا چاہئے اور وہ بخشنے والا ہے اس لئے تمہیں اپنے گناہوں پر اس سے معافی مانگنا چاہئے۔

۱۴۔ اس آیت میں 'ثُمَّ' (پھر) کا مطلب یہ ہے کہ پھر اس کی قدرت کی اس کرشمہ سازی کو بھی دیکھو کہ اس نے اسی ایک جان سے اس کا جوڑا بنایا۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ نساء نوٹ ۳۔ اور سورۂ اعراف نوٹ ۲۹۲۔

۱۵۔ اَنعام (مویشی) سے مراد پالتو چوپائے اونٹ گائے بھیڑ اور بکری ہیں اور ان کے نر و مادہ مل کر آٹھ قسمیں ہوئیں۔ مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ نساء نوٹ ۲۶۱۔

ان مویشیوں کی تخلیق کے لئے ''اَنْزَلْنَا'' (ہم نے اتارا) کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جو اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ان کی تخلیق اس طرح ہوئی گویا وہ ایک نعمت ہے، جو انسان کیلئے آسمان سے نازل کی گئی ہے۔

۱۶۔ تین تاریکیوں (اندھیروں) سے مراد تین پردے ہیں۔ پیٹ، رحم اور مشیمہ (وہ جھلی جس میں بچہ لپٹا ہوا ہوتا ہے) یہ دلیل ہے اس بات کی کہ انسان کا خالق کھلی اور چھپی روشن اور تاریک سب چیزوں کا جاننے والا ہے۔ اور اس کی تخلیق کا کام تاریکیوں میں بھی انجام پاتا ہے۔

۱۷۔ یعنی ان تین پردوں کے درمیان جنین (بچہ) کو خلقت کے مختلف مراحل سے گذارتا رہتا ہے اور اس کی شکلیں بدلتی رہتی ہیں۔ ابھی ابھی وہ گوشت کا لوتھڑا تھا اور اب اس نے انسانی صورت اختیار کر لی۔

۱۸۔ یہ ساری کارفرمائی جس کا ابھی ذکر ہوا، اللہ ہی کی ہے۔ان کاموں میں کسی کا کوئی دخل نہیں۔اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہی تمہارا رب ہے اور وہی پوری کائنات کا فرمانروا ہے۔اس کے بعد اللہ کے سوا کسی اور کے خدا یا معبود ہونے کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔

۱۹۔ یعنی اللہ کا واحد خدا اور معبود ہونا ایک روشن حقیقت ہے جس کا مشاہدہ تم رات دن کرتے ہو، پھر کیا چیز ہے جو تمہیں اس حقیقت سے پھیر دیتی ہے؟ یہ اشارہ ہے شیطان کی طرف جو انسان کو توحید کی راہ سے منحرف کر کے شرک میں پھنسا دیتا ہے۔

إِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنكُمْ ۖ وَلَا يَرْضَىٰ لِعِبَادِهِ الْكُفْرَ ۖ
وَإِن تَشْكُرُوا يَرْضَهُ لَكُمْ ۗ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ
رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۚ إِنَّهُ
عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٧﴾

[۷] اگر تم ناشکری کرو تو اللہ تم سے بے نیاز ہے۔ (تمہارا محتاج نہیں) اور اپنے بندوں کیلئے ناشکری کو پسند نہیں کرتا۔ اور اگر تم شکر کروتو وہ اسے تمہارے لئے پسند کرتا ہے ۲۰۔ کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۲۱۔ پھر تمہاری واپسی تمہارے رب ہی کی طرف ہے وہ تمہیں بتائے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو ۲۲۔ وہ دلوں کا حال جانتا ہے۔ ۲۳۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ ضُرٌّ دَعَا رَبَّهُ مُنِيبًا إِلَيْهِ ثُمَّ إِذَا خَوَّلَهُ
نِعْمَةً مِّنْهُ نَسِيَ مَا كَانَ يَدْعُو إِلَيْهِ مِن قَبْلُ وَجَعَلَ لِلَّهِ
أَندَادًا لِّيُضِلَّ عَن سَبِيلِهِ ۚ قُلْ تَمَتَّعْ بِكُفْرِكَ قَلِيلًا ۖ
إِنَّكَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ ﴿٨﴾

[۸] انسان کو جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو وہ اپنے رب کی طرف رجوع ہوکر اسے پکارتا ہے ۲۴۔ پھر جب وہ اسے اپنی نعمت عطا فرماتا ہے تو وہ اس چیز کو بھول جاتا ہے جس کیلئے وہ پہلے پکارتا تھا ۲۵۔ اور اللہ کے ہمسر (برابری کے) ٹھہرانے لگتا ہے ۲۶، تاکہ (لوگوں کو) اس کی راہ سے بھٹکا دے ۲۷۔ (ایسے شخص سے) کہو اپنے کفر سے تھوڑے دن فائدہ اٹھالے۔ تو یقیناً دوزخ والوں میں سے ہے ۲۸۔

أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ
وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ
وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۗ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُو الْأَلْبَابِ ﴿٩﴾

[۹] کیا وہ شخص جو رات کی گھڑیوں میں سجدہ اور قیام کی حالت میں عبادت میں سرگرم رہتا ہے ۲۹، آخرت کا اندیشہ رکھتا ہے اور اپنے رب کی رحمت کا امیدوار ہے ۳۰، (اور وہ جو کافر ہے دونوں برابر ہوسکتے ہیں؟ ۳۱) ان سے پوچھو کیا وہ علم رکھتے ہیں ۳۲؟ اور جو علم نہیں رکھتے دونوں یکساں ہوسکتے ہیں ۳۳؟ یاددہانی تو اہل دانش ہی حاصل کرتے ہیں۔ ۳۴۔

قُلْ يَا عِبَادِ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا رَبَّكُمْ ۚ لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا
فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۗ وَأَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةٌ ۗ إِنَّمَا يُوَفَّى
الصَّابِرُونَ أَجْرَهُم بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿١٠﴾

[۱۰] کہو۔ (اللہ فرماتا ہے) اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو! اپنے رب سے ڈرو۔ جو لوگ اس دنیا میں نیک بن کر رہے، ان کیلئے نیک بدلہ ہے۔ اور اللہ کی زمین کشادہ ہے ۳۵۔ صبر کرنے والوں کو تو ان کا اجر بے حساب دیا جائے گا۔ ۳۶۔

قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَعْبُدَ اللَّهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّينَ ﴿١١﴾

[۱۱] کہو۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ ہی کی عبادت کروں، دین (اطاعت و بندگی) کو اس کیلئے خالص کرتے ہوئے۔

وَأُمِرْتُ لِأَنْ أَكُونَ أَوَّلَ الْمُسْلِمِينَ ﴿١٢﴾

[۱۲] اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سب سے پہلے مسلم بنوں۔ ۳۷۔

۲۰۔ ناشکری درحقیقت کفر ہے۔ جو شخص اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے، لیکن اس کے دل میں اس کیلئے جذبۂ شکر نہیں ابھرتا یا ان نعمتوں کو وہ کسی اور کی دین سمجھ کر اس کے آگے نذرونیاز پیش کرنے لگتا ہے، تو وہ بہت بڑی ناشکری کرتا ہے جو سراسر کفر ہے۔ ناشکری کا رویہ اختیار کر کے انسان اللہ کا کچھ نہیں بگاڑتا بلکہ اپنے لئے ہی محرومی کا سامان کرتا ہے۔ اللہ اس بات کا ہرگز محتاج نہیں ہے کہ بندے اس کا شکر کریں۔ اللہ کو نہ بندوں کے شکر سے فائدہ پہنچتا ہے اور نہ ان کی ناشکری سے نقصان۔ یہ حقیقت حدیثِ قدسی میں اس طرح بیان ہوئی ہے:

''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے سب انس و جن سب سے زیادہ متقی شخص کے برابر ہو جائیں تو اس سے میری سلطنت میں کوئی اضافہ نہ ہوگا، اور اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے سب انس و جن سب سے زیادہ فاجر شخص کے برابر ہو جائیں تو اس سے میری سلطنت میں کوئی کمی نہ ہوگی۔'' (مسلم کتاب البر)

البتہ جو شخص شکر گزاری کا رویہ اختیار کرتا ہے، وہ حقیقت پسندی کا ثبوت دیتا ہے، اور اللہ کو اپنے بندوں کے حق میں یہی بات پسند ہے، اس لئے اس کی رضا ان ہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو شکر گزار ہوں۔ برخلاف اس کے ناشکری اللہ کو سخت ناپسند ہے اور جو ناشکرے ہوتے ہیں ان کو اللہ کی رضا حاصل نہیں ہوتی۔

۲۱۔ یعنی ہر شخص کو اپنے گناہ کا بوجھ اٹھانا ہے کوئی شخص بھی دوسرے کے گناہ اپنے سر نہیں لے گا۔ لہٰذا ہر شخص اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور دوسروں کے کہنے پر گناہ کا ارتکاب نہ کرے۔

۲۲۔ یعنی قیامت کے دن ہر شخص کے سامنے اس کے اعمال کا دفتر کھول کر رکھ دیا جائے گا۔

۲۳۔ اللہ کو ہر ہر شخص کے دل کا حال معلوم ہے کہ اللہ کیلئے اس کے دل میں شکر کے جذبات ہیں یا ناشکری کے، ایمان کا ولولہ ہے یا کفر و معصیت، اور محبت ہے یا نفرت۔

۲۴۔ یعنی تکلیف میں دل کی انابت (رجوع) کے ساتھ اپنے حقیقی رب کو پکارتا ہے اور دعا کرتا ہے۔

۲۵۔ یعنی جب اللہ اس کی تکلیف کو دور فرماتا اور اسے راحت عطا کرتا ہے تو وہ بھول جاتا ہے کہ کبھی وہ تکلیف میں مبتلا تھا اور اس کو دور کرنے کیلئے اس نے اپنے رب سے دعا کی تھی۔ یہ ہے اس کی ناشکری کے مثال۔

۲۶۔ اللہ کے ہمسر ٹھہرانے کا مطلب یہ ہے کہ جو معاملہ اللہ ہی کے ساتھ کیا جانا چاہیئے وہ معاملہ وہ غیر اللہ کے ساتھ بھی کرنے لگتا ہے۔ مثلاً غیر اللہ کے لئے نذرونیاز، قربانی اور پرستش کے دوسرے مراسم۔

۲۷۔ یعنی خود تو بھٹک ہی گیا۔ دوسروں کو بھی بھٹکا رہا ہے۔

۲۸۔ ایسے شخص کا ٹھکانا بالآخر دوزخ ہی بننے والا ہے۔

اس آیت کی رو سے ایسے شخص کو جو بت پرستی اور کھلے شرک اور کفر میں مبتلا ہو اور توحید قبول کرنے کے لئے آمادہ نہ ہو متنبہ کر دینا چاہیئے کہ وہ جہنمی ہے۔ تاکہ اس پر حجت پوری طرح قائم ہو جائے۔

۲۹۔ 'قانت' کے معنی یہاں عبادت میں سرگرم رہنے کے ہیں، اور رات کی گھڑیوں میں عبادت الٰہی میں مشغول رہنا ایمان کی اعلیٰ صفت ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ رات میں آدمی زیادہ سے زیادہ جتنی نماز بھی پڑھ لے فضیلت ہی کی بات ہوگی۔ رکعات کی کوئی قید نہیں ہے۔ سورۂ فرقان میں بھی اس صفت کو نمایاں کیا گیا ہے۔

وَالَّذِیۡنَ یَبِیۡتُوۡنَ لِرَبِّہِمۡ سُجَّدًا وَّ قِیَامًا۔

''جو اپنے رب کے آگے سجدہ و قیام میں راتیں گزارتے ہیں۔''

۳۰۔ یعنی آخرت میں اللہ کے حضور جوابدہی سے ڈرتا بھی ہے اور اس کی رحمت کی امید بھی رکھتا ہے۔ اس لئے نہ وہ خوش فہمیوں اور آرزوں میں جیتا ہے اور نہ مایوسی کا شکار ہوتا ہے بلکہ اعتدال پر اپنے آپ کو قائم رکھتا ہے۔

۳۱۔ یہ جملہ عربی کے اسلوب بلاغت کے مطابق محذوف ہے، یعنی الفاظ میں بیان نہیں ہوا ہے اس لئے ہم نے اسے قوسین میں کھول دیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر اللہ کے دو بندے جن میں سے ایک اس سے لرزاں رہتا ہے کہ رات میں اپنی نیند اور اپنے آرام کو چھوڑ کر اللہ کی عبادت میں سرگرم ہو جاتا ہے اور اس کی رحمت کا امیدوار ہوتا ہے۔ اور دوسرا وہ شخص جو اللہ سے غافل ہے، اس کی عبادت کی اس کو کوئی پرواہ نہیں اور وہ اس کی ناشکری کرتا ہے، تو کیا دونوں اپنے کردار اور انجام کے لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر تم اس کی ناشکری کرتے ہوئے کس طرح اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہو کہ کسی نہ کسی کے واسطہ اور وسیلہ سے تمہیں اللہ کا تقرب حاصل ہو جائے گا؟

۳۲۔ یعنی ان منکرین سے پوچھو۔

۳۳۔ علم سے مراد اللہ کی معرفت، مقصد زندگی کا شعور، احکام الٰہی سے واقفیت اور آخرت کی جزا و سزا سے آگاہی ہے۔ جو شخص یہ علم رکھتا ہے اور جو شخص یہ علم نہیں رکھتا، دونوں کس طرح اپنے وصف میں اور اپنے انجام کے اعتبار سے برابر ہو سکتے ہیں؟ یہ حقیقی اور بنیادی علم جو انسان کی زندگی کے رُخ کو متعین کر دیتا ہے ہر شخص کے لئے اس کا حصول ناگزیر ہے۔ جو لوگ اس علم سے بے پرواہ ہو کر جو مادی علوم بھی حاصل کرتے ہیں جہالت کی تاریکیوں ہی میں رہتے ہیں اور اپنے بُرے انجام سے بے خبر ہوتے ہیں۔

۳۴۔ یعنی ان باتوں کو سمجھنے کیلئے اپنی عقل کو استعمال کرنے کی ضرورت ہے۔ عقل کو ایک خول میں بند رکھ کر ان حقیقتوں کو نہیں سمجھا جا سکتا۔

۳۵۔ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اگر خدائے واحد کی عبادت کرنے اور اس سے ڈرتے ہوئے زندگی گزارنے میں کفار مزاحم ہو رہے ہیں، تو اپنے دین اور ایمان کے تحفظ کے لئے کسی دوسرے علاقہ یا ملک کو ہجرت کر کے جا سکتے ہو۔ اس کی زمین کسی ایک ملک تک محدود نہیں ہے بلکہ نہایت وسیع ہے۔ اور دین کی خاطر وطن چھوڑا جا سکتا ہے لیکن وطن کی خاطر دین نہیں چھوڑا جا سکتا۔

واضح رہے کہ اس زمانے میں ہجرت کیلئے راہیں کھلی ہوئی تھیں۔ اور اگر موجودہ زمانہ میں تقریباً مسدود ہیں تو حالات میں زبردست فرق بھی واقع ہوا ہے۔ اس زمانہ میں عقیدہ و مذہب کو چھوڑ دینے کی بنا پر اکثر تشدد کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ لیکن موجودہ زمانے میں قانوناً عقیدہ و مذہب کی آزادی حاصل ہے اور تبدیلی مذہب کی بنا پر لازماً تشدد کا سامنا کرنا نہیں پڑتا۔ اس لئے ہجرت کی ضرورت کم ہی پیش آتی ہے، خاص طور سے سیکولر ریاستوں میں جہاں اپنے اپنے مذہب کی تبلیغ کی بھی آزادی حاصل ہوتی ہے۔

۳۶۔ صبر کرنے والوں سے مراد دین حق پر ثابت قدم رہنے والے لوگ ہیں۔ اور بے حساب اجر سے مراد بے اندازہ اجر ہے۔ یعنی اتنا بڑا اجر جس کا وہ اندازہ نہیں کر سکتے۔ اردو میں ''بے شمار'' کے الفاظ اسی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔

یہ ہے صبر کی فضیلت اور قرآن اسی قسم کے اوصاف پیدا کرنے پر زور دیتا ہے اور ان کی بہت بڑی فضیلت بیان کرتا ہے۔ لیکن ضعیف اور موضوع حدیثوں نے چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا اتنا بڑا اجر بیان کر دیا ہے کہ لوگ ان نیکیوں ہی کا اہتمام کرنے لگے اور ان اوصاف کی طرف سے غافل ہو گئے۔ نتیجہ یہ کہ دین کے معاملہ میں وہ توازن برقرار نہیں رہا، جو قرآن نے قائم کیا تھا۔ قرآن کے مقابلے میں ضعیف اور موضوع حدیثوں سے چپک کر رہنے کا یہ

زبردست نقصان ہے جو ملّت اسلامیہ کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔

۷۳۔ یعنی مجھے حکم ملا ہے کہ کوئی اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کرے یا نہ کرے میں سب سے پہلے اپنے آپ کو اللہ کے حوالہ کروں۔
مسلم یعنی وہ جس نے اللہ کے دین اسلام کو قبول کر کے اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ کے حوالہ کر دیا۔

قُلْ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنْ عَصَيْتُ رَبِّي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ﴿١٣﴾

۱۳ کہو۔اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک سخت دن کے عذاب کا ڈر ہے۔ ۳۸

قُلِ اللّٰهَ أَعْبُدُ مُخْلِصًا لَّهُۥ دِينِي ﴿١٤﴾

۱۴ کہو۔میں تو اللہ ہی کی عبادت کرتا ہوں دین (خضوع وبندگی) کو اس کے لئے خالص کر کے۔ ۳۹

فَاعْبُدُوا مَا شِئْتُم مِّن دُونِهِۦ ۗ قُلْ إِنَّ الْخَاسِرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوٓا أَنفُسَهُمْ وَأَهْلِيهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ ﴿١٥﴾

۱۵ تم اس کے سوا جس کی چاہو عبادت کرو ۴۰ ۔کہو حقیقی خسارہ میں رہنے والے وہی لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے دن اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو خسارہ میں ڈالا۔سنو! یہی کھلا خسارہ ہے۔ ۴۱

لَهُم مِّن فَوْقِهِمْ ظُلَلٌ مِّنَ النَّارِ وَمِن تَحْتِهِمْ ظُلَلٌ ۚ ذٰلِكَ يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهِۦ عِبَادَهُۥ ۚ يٰعِبَادِ فَاتَّقُونِ ﴿١٦﴾

۱۶ ان کے لئے آگ کی تہیں ہوں گی اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی ۴۲ ۔یہ ہے وہ چیز جس سے اللہ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے ۴۳ اے میرے بندو! میرا تقویٰ اختیار کرو۔ ۴۴

وَالَّذِينَ اجْتَنَبُوا الطّٰغُوتَ أَن يَعْبُدُوهَا وَأَنَابُوٓا إِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿١٧﴾

۱۷ اور جن لوگوں نے طاغوت ۴۵ کی عبادت سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رجوع کر لیا، ان کیلئے خوشخبری ہے ۴۶ ۔تو میرے ان بندوں کو خوشخبری دیدو۔

الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُۥٓ ۚ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ ۖ وَأُولٰٓئِكَ هُمْ أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿١٨﴾

۱۸ جو کلام کو توجہ سے سنتے ہیں اور بہترین معنی کی پیروی کرتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے۔اور یہی دانشمند ہیں۔ ۴۷

أَفَمَنْ حَقَّ عَلَيْهِ كَلِمَةُ الْعَذَابِ أَفَأَنتَ تُنقِذُ مَن فِي النَّارِ ﴿١٩﴾

۱۹ کیا جس پر عذاب کا فرمان لاگو ہو گیا ہو (اسے کوئی بچا سکتا ہے؟) کیا تم اسے بچا سکتے ہو جو دوزخ میں جانے والا ہو؟ ۴۸

لٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ غُرَفٌ مِّن فَوْقِهَا غُرَفٌ مَّبْنِيَّةٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ۖ وَعْدَ اللّٰهِ ۖ لَا يُخْلِفُ اللّٰهُ الْمِيعَادَ ﴿٢٠﴾

۲۰ البتہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کیلئے (ایسی بلند عمارتیں ہوں گی جن میں) بالاخانوں پر بالاخانے بنے ہوئے ہونگے۔ان کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی۔یہ اللہ کا وعدہ ہے۔اللہ اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ أَنزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَلَكَهُۥ يَنَابِيعَ فِي الْأَرْضِ ثُمَّ يُخْرِجُ بِهِۦ زَرْعًا مُّخْتَلِفًا أَلْوَانُهُۥ ثُمَّ يَهِيجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَجْعَلُهُۥ حُطٰمًا ۚ إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٢١﴾

۲۱ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ آسمان سے پانی برساتا ہے، پھر اس کو زمین کے اندر چشموں کی شکل میں جاری کر دیتا ہے، پھر اس سے مختلف قسم کی کھیتیاں پیدا کر دیتا ہے۔پھر وہ سوکھ جاتی ہیں اور تم دیکھتے ہو کہ وہ زرد پڑ گئی ہیں۔پھر وہ ان کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔یقیناً اس میں یاد دہانی ہے ۴۹ عقل رکھنے والوں کیلئے۔

۳۸۔ مراد قیامت کا دن ہے۔

۳۹۔ آیت ۸ میں اللہ کی مخلصانہ عبادت کا حکم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا۔ اس آیت میں اس کی تعمیل کا ذکر ہوا ہے۔

۴۰۔ یعنی اگر تم اللہ کی مخلصانہ عبادت نہیں کرنا چاہتے، تو پھر جس کی چاہو کرو اور اپنے بُرے انجام کیلئے تیار رہو۔

۴۱۔ دنیا کے فائدے وقتی ہیں اور جو لوگ آخرت کو نظر انداز کر کے ان ہی کو حاصل کرنے میں عمریں کھپا دیتے ہیں، وہ بہت بڑے خسارہ کا سودا کرتے ہیں۔ یعنی دنیا کے عارضی فائدے کی خاطر آخرت کے جاودانی فائدوں سے محرومی کا۔ مگر ایسے لوگ اس فریب میں مبتلا ہوتے ہیں کہ وہ بڑی کامیاب زندگی گزار رہے ہیں۔ اور موت کے بعد انہیں کسی نقصان سے دوچار ہونا نہیں ہے، وہ اپنے اہل و عیال کو بھی دنیا پرستی ہی کی راہ دکھاتے ہیں اور بالعموم وہ ان ہی کے پیچھے چلتے ہیں۔ اس لئے قیامت کے دن ان کے ساتھ ان کے اہل و عیال بھی تباہ ہوں گے۔

۴۲۔ آگ کی تہیں اوپر سے بھی ہوں گی اور نیچے سے بھی۔ اس طرح وہ آگ میں بالکل گھرے ہوئے ہوں گے۔

۴۳۔ یعنی اس انجام سے ڈراتا ہے۔

۴۴۔ یعنی اس انجام سے دوچار ہونا نہیں چاہتے تو پھر اللہ سے ڈرنے اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی روش اختیار کرو۔

۴۵۔ طاغوت کے معنی امام راغب نے جو قرآنی لغت کے امام ہیں اس طرح بیان کئے ہیں۔

والطاغوت عبارۃ عن کل متعد و کل معبود من دون اللہ ...... سمی الساحر و الکاھن و المارد من الجن و الصارف عن طریق الخیر طاغوتاً۔ (مفردات راغب ص ۳۰۷)

''طاغوت سے مراد ہر وہ فرد ہے، جو حد سے تجاوز کرنے والا ہو اور ہر وہ معبود ہے جو اللہ کے سوا ہو۔۔۔۔۔۔ ساحر، کاہن، سرکش جن اور خیر کی راہ سے ہٹانے والے کو طاغوت کہا جاتا ہے۔''

مزید تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ نحل نوٹ ۵۵۔

۴۶۔ خوشخبری ان لوگوں کو دی گئی ہے جو اللہ کی طرف رجوع کریں کہ غیر اللہ کی پرستش و بندگی سے انہوں نے اپنے آپ کو بچا لیا ہے۔

۴۷۔ دانشمندی یہ ہے کہ آدمی اللہ کے کلام کو توجہ سے سُنے اور اس کا بہترین مفہوم اخذ کر کے اس کی اتباع کرے۔ ہدایت کی راہ ایسے ہی لوگوں پر کھلتی ہے اور ایسے ہی لوگوں کو کامیابی کی بشارت دی گئی ہے۔ برخلاف اس کے جو لوگ کلام الٰہی کو توجہ سے نہیں سنتے اور اس کے بہترین مفہوم کو چھوڑ کر اس کو کچھ اور معنی پہنانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ بحث میں الجھ کر رہ جاتے ہیں اور غیر دانشمندی کا ثبوت دیتے ہیں، جس کا نتیجہ ہدایت سے محرومی ہے۔

اس آیت سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ اگر ایک لفظ کے لغت میں کئی معنی ہوں، تو سوچنا چاہئے کہ قرآن میں جہاں وہ لفظ استعمال ہوا ہے کس بہترین مفہوم کو ادا کر رہا ہے۔ کیوں کہ اللہ کا کلام اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے اعلیٰ ہی ہو سکتا ہے۔

۴۸۔ یعنی کافر جس پر اللہ کے عذاب کا فیصلہ لاگو ہو گیا ہو اسے عذاب سے کون بچا سکتا ہے؟ اللہ کا رسول بھی اسے بچا نہیں سکتا۔ سلامتی اسی میں ہے کہ لوگ عقل سے کام لیں اور اس کلام کی پیروی کریں، جو اللہ کا رسول ان کے سامنے پیش کر رہا ہے۔

۴۹۔ یاد دہانی اس بات کی کہ یہ دنیا سدا بہار نہیں ہے، بلکہ اس پر لازماً خزاں آنے والی ہے۔ اس لئے دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی دنیا کی رونق پر اپنی نگاہوں کو نہ جمائے اور اس کی دلفریبیوں پر نہ ریجھے بلکہ آخرت کو مقصود بنا کر دنیا میں ذمہ دارانہ زندگی گزارے کہ حقیقی اور جاودانی نعمتیں آخرت ہی کی ہیں۔

أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَىٰ نُورٍ مِّن رَّبِّهِ ۚ فَوَيْلٌ
لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِّن ذِكْرِ اللَّهِ ۚ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿٢٢﴾

۲۲ کیا وہ شخص جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا ہے اور وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی پر ہے اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو ۵۰؟ تو تباہی ہے ان کیلئے جن کے دل اللہ کے ذکر کی طرف سے سخت ہو گئے ہیں ۵۱۔ یہ لوگ کھلی گمراہی میں پڑے ہوئے ہیں۔

اللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ
جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ
إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن
يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ ﴿٢٣﴾

۲۳ اللہ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے ۵۲، ایک ایسی کتاب جس کی آیتیں ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں ۵۳ اور اس قابل ہیں کہ بار بار دہرائی جائیں ۵۴۔ اس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ۵۵۔ پھر ان کے بدن اور ان کے دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوجاتے ہیں ۵۶۔ یہ اللہ کی ہدایت ہے ۵۷، جس کے ذریعے وہ راہیاب کرتا ہے جسے چاہتا ہے۔ اور جس پر اللہ راہ گم کردے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں۔

أَفَمَن يَتَّقِي بِوَجْهِهِ سُوءَ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ وَقِيلَ
لِلظَّالِمِينَ ذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْسِبُونَ ﴿٢٤﴾

۲۴ پھر کیا وہ شخص جو قیامت کے دن برے عذاب سے بچنے کیلئے اپنے چہرہ کو سپر بنائے گا ۵۸۔ (اور وہ شخص جو عذاب سے محفوظ ہوگا دونوں یکساں ہوں گے؟) اور ظالموں سے کہا جائے گا، جو کمائی تم کرتے رہے ہو ۵۹۔ اس کا مزا چکھو۔

كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ فَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ
مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٥﴾

۲۵ ان سے پہلے کے لوگ جھٹلا چکے ہیں تو ان پر ایسے رُخ سے عذاب آیا جس کا وہ گمان بھی نہیں کرسکتے تھے۔

فَأَذَاقَهُمُ اللَّهُ الْخِزْيَ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ
أَكْبَرُ ۚ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿٢٦﴾

۲۶ تو اللہ نے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی رسوائی کا مزا چکھایا ۶۰۔ اور آخرت کا عذاب تو بہت بڑا ہے۔ کاش یہ لوگ جانتے!

وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ
لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿٢٧﴾

۲۷ اور ہم نے اس قرآن میں لوگوں کیلئے ہر طرح کی مثالیں بیان کردی ہیں ۶۱۔ تاکہ وہ یاددہانی حاصل کریں۔

قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٢٨﴾

۲۸ عربی قرآن ۶۲، جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں ۶۳، تاکہ وہ (عذاب سے) بچیں۔

۵۰۔ سینہ کھول دینے سے مراد مطمئن کر دینا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس شخص کا دل بتوفیقِ الٰہی اسلام پر مطمئن ہو گیا ہو اور وہ اس دین کے بارے میں کسی قسم کا شک، شبہ اور تنگی محسوس نہ کرتا ہو، اسے ہدایت کی روشنی حاصل ہوتی ہے اور وہ اس روشنی میں اپنی زندگی کا سفر طے کرتا ہے۔ کیا ایسا شخص اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جس کا دل اسلام کے بارے میں تعصب اور عناد کی بنا پر سخت ہو گیا ہو اور وہ اس روشنی سے محروم ہو کر جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہو۔ جو نہ اپنے رب کو پہچانتا ہو اور نہ جسے اپنے مقصدِ زندگی کا شعور ہو اور نہ یہ جانتا ہو کہ اس کی ذمہ داریاں کیا ہیں اور اعمال کے کیا اثرات ونتائج رونما ہونے والے ہیں۔ ان دونوں اشخاص کو اگر ایک دوسرے سے مختلف خصوصیات اور متضاد طرزِ عمل کی بنا پر یکساں قرار نہیں دیا جا سکتا، تو پھر دونوں کا انجام یکساں کیسے ہو سکتا ہے؟

۵۱۔ کفر اور معصیت پر اصرار کے نتیجہ میں دل سخت ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ انہیں اللہ کے ذکر سے کوئی دلچسپی ہوتی ہے اور نہ ان پر کوئی نصیحت اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ قبولِ حق کی فطری صلاحیت کھو چکے ہوتے ہیں۔ جس طرح سنگلاخ زمین پر پانی کا کوئی اثر نہیں ہوتا اسی طرح ان سنگ دل لوگوں پر قرآن کی تذکیر کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔

۵۲۔ قرآن بہترین کلام ہے، کیونکہ یہ اپنے اندر لفظی اور معنوی، ظاہری اور باطنی ہر قسم کی خوبیوں کو لئے ہوئے ہے۔ اس میں بہترین اسلوب میں بہترین بات کہی گئی ہے، اس کا انداز اس قدر مؤثر ہے کہ دل میں رقت پیدا ہو جاتی ہے، اس کی تلاوت عزم و یقین میں پختگی پیدا کرتی ہے اور اس کی سلاست و روانی حفظ کو آسان بنا دیتی ہے۔ اس کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک مؤمن اُسے بار بار پڑھتے ہوئے بھی نہیں تھکتا۔

حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبوں میں فرمایا کرتے تھے:

فَاِنَّ خَيْرَ الْحَدِيْثِ كِتَابُ اللهِ ''بلاشبہ بہترین کلام اللہ کی کتاب ہے۔'' (ریاض الصالحین بروایۃ مسلم)

لہٰذا اس کتاب کی تلاوت اور اس کے مطالعہ کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جانا چاہئے اور یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا کی کوئی کتاب اس کے ہم پلہ نہیں ہو سکتی۔

۵۳۔ یعنی یہ کلام اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی کتاب کی شکل میں نازل فرمایا ہے، جس کے اجزاء ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں اور اس کے مضامین میں کمال درجہ کی ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔ اس کتاب کا موضوع نہایت وسیع الاطراف ہے۔ اس کے باوجود اس کی باتوں میں کہیں تضاد نہیں ہے اور نہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے غیر مربوط ہے۔ اس کو جہاں سے بھی پڑھو کلام کی روح ایک ہی ہوگی اور جمال ہر جگہ نمایاں ہوگا۔

۵۴۔ اس کتاب کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی آیتیں مثانی ہیں۔ یعنی اس قابل ہیں کہ بار بار دہرائی جائیں۔ ان کو جتنی مرتبہ بھی پڑھا جائے سیری نہیں ہوتی شوقِ تلاوت اور بڑھ جاتا ہے۔ نمازوں میں آیتیں بار بار پڑھی جاتی ہیں اور ہر وقت ان کے خوشگوار اثرات قلب و ذہن پر مرتب ہوتے ہیں۔

۵۵۔ اللہ سے ڈرنے والے جب کلامِ الٰہی کی سماعت یا تلاوت کرتے ہیں تو اللہ کی عظمت وجلال کے تصور سے ان پر ایسی ہیبت طاری ہوتی ہے کہ ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کلامِ الٰہی کی یہ زبردست تاثیر ہے۔ جو دلوں میں خشیت پیدا کرتی اور اسے پروان چڑھاتی ہے۔ اور یہ خشیت ہی ہے جو انسان کو صالح اور پرہیز گار بناتی ہے۔ خشیت تو قرآن کی مجرد تلاوت سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ جو قرآن کا اعجاز (معجزہ) ہے۔ لیکن رونگٹے کھڑے ہونے کی کیفیت اس صورت میں پیدا ہوتی ہے جب کہ قرآن کو معنی و مفہوم کے ساتھ پڑھا جائے۔ اللہ کے عذاب سے قرآن میں ڈرایا گیا ہے اور جہنم میں سزا بھگتنے والوں کا جو حال اس میں بیان کیا گیا ہے، وہ یقیناً رونگٹے کھڑے کر دینے والا ہے، لیکن جو شخص ان آیتوں کو سمجھ کر نہ

پڑھے اس پر یہ کیفیت کس طرح طاری ہوگی؟ غور کیجئے فہم قرآن سے بے اعتنائی کتنے بڑے خیر سے محرومی کا موجب ہے۔

آیت سے یہ بات واضح ہے کہ خشیتِ الٰہی کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ بدن کے رونگٹے کھڑے ہوجائیں اور یہی کیفیت مطلوب ہے۔رہی وجد کی کیفیت تو یہ سراسر تکلف اور صوفیوں کی اختراع (من گھڑت طریقہ) ہے۔قرآن اس کے ذکر سے خالی ہے اور سیرتِ رسول بھی۔صحابہ کرام جن کو قرآن سے زبردست شغف تھا وہ بھی وجد وغیرہ کی کیفیتوں سے ناآشنا تھے۔صحابہ کرام کے قرآن کی تلاوت وسماعت کے بارے میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

''وہ نہ چیختے تھے اور نہ تکلف سے کام لے کر کسی مصنوعی کیفیت کا مظاہرہ کرتے تھے بلکہ وہ ثبات، سکون، ادب اور خشیت میں ایسے ممتاز تھے کہ کوئی ان کے مقام کو نہ پہنچ سکا۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۱)

۵۶۔ قرآن میں جہاں اللہ کی عظمت وجلال کا بیان ہے وہاں اس کے غفور ورحیم ہونے کی صفات بھی بیان ہوئی ہیں۔اس لئے رونگٹے کھڑے کرنے والی کیفیت سکون میں تبدیل ہوجاتی ہے۔جب پڑھنے والے کے سامنے اللہ کی جمالی صفات کا ذکر آتا ہے تو اس کا دل پسیج جاتا ہے۔وہ اللہ سے پراُمید ہوجاتا ہے اور اس کے جسم پر سکون کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔اس سکون اور طمانیت کے ساتھ وہ اللہ کے ذکر کی طرف راغب ہوجاتا ہے اور اسے بہ کثرت یاد کرنے لگتا ہے۔گویا ذکر الٰہی سے رغبت قرآن سے تعلق کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے اور بڑھتی ہے۔

۵۷۔ کلامِ الٰہی کی اس تاثیر کو ہدایت سے تعبیر کیا گیا ہے۔جس نے یہ اثر قبول کیا اس پر ہدایت کی راہ کھل گئی۔

۵۸۔ کافر قیامت کے دن عذاب کی زد سے اپنے کو بچانے کیلئے اپنے ہاتھوں کو بیڑیوں میں جکڑا ہوا پا کر اپنے چہرہ کو سپر بنانے کی کوشش کرے گا، مگر وہ عذاب کی زد سے بچ نہ سکے گا۔اس کی اسی بے بسی کا یہاں ذکر ہوا ہے۔

۵۹۔ انسان کا ہر عمل اپنا ایک اثر اور نتیجہ رکھتا ہے اس لئے اعمال کو کسب (کمائی) سے تعبیر کیا گیا ہے۔قیامت کے دن ہر شخص محسوس کرے گا کہ جو اچھا یا برا عمل اس نے کیا تھا، وہ اس کی اچھی یا بری کمائی تھی جو آج اس کو پوری پوری مل رہی ہے۔

۶۰۔ اللہ تعالیٰ کافروں اور فاسقوں کو دنیا میں بھی سزا دیتا رہتا ہے۔اس سلسلہ میں بعض لوگوں کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کے دن سے پہلے جو حساب کتاب کیلئے مقرر ہے کیونکر سزا دی جاسکتی ہے؟ تو درحقیقت سزا دینے کا معاملہ حساب کتاب پر موقوف نہیں ہے۔یہ اہتمام تو اس لئے ہے کہ اسے مکمل سزا دینے سے پہلے اللہ تعالیٰ اس کے اعمال کی حجت اس پر قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ اس پر یہ بات اچھی طرح واضح ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی ہے بلکہ جو کچھ وہ کرتا رہا ہے اسی کا پھل وہ پا رہا ہے۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ آخرت کی عدالت برپا ہونے سے پہلے وہ مجرموں کو کوئی سزا نہ دے گا۔چونکہ اللہ تعالیٰ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ وہ کافر اور مجرم ہیں اس لئے وہ اپنے اس علم کی بنا پر دنیا میں بھی ان کو عذاب کا مزا چکھاتا رہتا ہے، جو عذاب کی محض ایک قسط ہوتی ہے۔اسی طرح ان کی روحوں کو عالمِ برزخ میں، جس کا دوسرا نام قبر ہے عذاب میں مبتلا رکھتا ہے۔مگر بے بصیرت لوگ قبر کے عذاب کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حساب کتاب سے پہلے عذاب کیسا؟ مگر ان کے اس شبہ کی تردید کیلئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں پر دنیا میں بھی عذاب نازل کرتا رہا ہے اور عذاب کی یہ قسط ان کو حساب کتاب سے پہلے ہی ملتی رہتی ہے۔

۶۱۔ مثالیں بیان کرنے کا مطلب صرف تمثیلیں بیان کرنا نہیں ہے، بلکہ وہ واقعات بھی جن میں عبرت کی باتیں بیان ہوئی ہیں۔مثلاً ان امتوں کا حال جن کے کفر کی وجہ سے ان پر عذاب آیا۔

۶۲۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ یوسف نوٹ ۳۔

۶۳۔ تشریح کیلئے دیکھئے سورۂ کہف نوٹ ۱۔

اگرتم ان سے پوچھو آسمانوں اورزمین کوکس نے پیدا کیا ہے تو وہ
کہیں گے اللہ نے۔کہو! پھرتم نے یہ بھی سوچا کہ جن کوتم پوجتے
ہووہ کیا اس تکلیف کو جو اللہ مجھے پہنچانا چاہے دور کر سکتے ہیں؟ یا
وہ اگر مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکتے
ہیں؟ کہو! میرے لئے اللہ کافی ہے بھروسہ کرنے والے اسی پر
بھروسہ کرتے ہیں۔(القرآن)

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشٰكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٢٩﴾

۲۹ اللہ مثال بیان فرماتا ہے کہ ایک شخص (غلام) کی جس کی ملکیت میں نزاع کرنے والے کئی آقا شریک ہیں اور دوسرا شخص جو پورا کا پورا ایک ہی آقا کا غلام ہے۔ کیا ان دونوں کا حال یکساں ہوسکتا ہے؟ ۶۴؎ اللہ کیلئے حمد ہے، مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں۔ ۶۵؎

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ﴿٣٠﴾

۳۰ (اے نبی!) تم کو بھی مرنا ہے اور ان لوگوں کو بھی مرنا ہے۔ ۶۶؎

ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ ﴿٣١﴾

۳۱ پھر قیامت کے دن تم لوگ اپنے رب کے حضور اپنا مقدمہ پیش کروگے۔ ۶۷؎

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَكَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٢﴾

۳۲ پھر اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ۶۸؎۔ اور سچائی ۶۹؎، جب اس کے پاس آئی تو اسے جھٹلا دیا۔ کیا ایسے کافروں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے؟

وَالَّذِيْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿٣٣﴾

۳۳ اور جو سچائی لے کر آیا ۷۰؎، اور جس نے اس کو سچ مانا ۷۱؎، ایسے ہی لوگ متقی ہیں۔ ۷۲؎

لَهُمْ مَّا يَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٣٤﴾

۳۴ ان کیلئے ان کے رب کے پاس وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ یہ جزا ہے نیکوکاروں کی۔ ۷۳؎

لِيُكَفِّرَ اللّٰهُ عَنْهُمْ اَسْوَاَ الَّذِيْ عَمِلُوْا وَيَجْزِيَهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٣٥﴾

۳۵ تاکہ اللہ دور کردے ان کے بُرے سے بُرے عمل کو اور جو بہترین اعمال وہ کرتے رہے ان کی انہیں جزا دے۔ ۷۴؎

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ؕ وَيُخَوِّفُوْنَكَ بِالَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٦﴾

۳۶ کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے؟ یہ لوگ تمہیں ان (معبودوں) سے ڈراتے ہیں، جو انہوں نے اس (اللہ) کو چھوڑ کر بنا رکھے ہیں ۷۵؎۔ اور جس کو اللہ گمراہ کردے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔

وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّضِلٍّ ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِعَزِيْزٍ ذِي انْتِقَامٍ ﴿٣٧﴾

۳۷ اور جس کو اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا ۷۶؎۔ کیا اللہ غالب اور سزا دینے والا نہیں ہے؟ ۷۷؎

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ ؕ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ ؕ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿٣٨﴾

۳۸ اگر تم ان سے پوچھو آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا ہے تو وہ کہیں گے اللہ نے۔ کہو! پھر تم نے یہ بھی سوچا کہ جن کو تم پوجتے ہو وہ کیا اس تکلیف کو جو اللہ مجھے پہنچانا چاہے دور کرسکتے ہیں؟ یا وہ اگر مجھ پر مہربانی کرنا چاہے تو کیا یہ اس کی رحمت کو روک سکتے ہیں ۷۸؎؟ کہو! میرے لئے اللہ کافی ہے۔ اور بھروسہ کرنیوالے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

۶۴۔ یہ مثال ہے مشرک اور موحِّد (توحید کو ماننے والے) کی۔ اگر ایک غلام کے مالک متعدد ہوں اور ان کے درمیان نزاع ہو تو اس غلام کا کیا حال ہوگا۔ وہ کس کس کی خدمت انجام دے گا اور کس کس کو خوش کرنے کی کوشش کرے گا؟ بخلاف اس کے اگر ایک غلام کا مالک ایک ہی ہو تو اس کو صرف اسی کی خدمت کرنا ہوگی اور اسی کو اسے خوش کرنا ہوگا۔ جب ان دونوں کا حال یکساں نہیں ہوسکتا تو متعدد خداؤں کا عقیدہ رکھنے والے شخص کیلئے ضروری ہوگا کہ وہ ہر خدا کی پرستش کرے اور اسے خوش کرنے کی کوشش کرے، جو ظاہر ہے سخت پریشانی کا موجب ہے۔ کیونکہ ہر خدا کو خوش نہیں کیا جاسکتا، بالخصوص جب کہ ان کا اقتدار متضاد نوعیت کا ہو۔ مثلاً اگر ایک جنگ کی دیوی ہے تو دوسرا بناؤ کا سامان کرنے والا، اگر ایک دیوی بیماری لاتی ہے تو دوسری سکھ بخشتی ہے۔ اگر ایک بارش کا دیوتا ہے تو دوسرا آگ کا۔ بتایئے آدمی کس کس دیوتا کی پوجا کرے اور کس کس کو خوش کرنے کی کوشش کرے۔ ہندوستان کے مشرکانہ مذہب میں تو ان گنت دیوی دیوتا ہیں۔ اس مذہب کے لوگ جتنے بھی دیوی دیوتاؤں کو پوجیں کچھ نہ کچھ تو باقی رہ ہی جائیں گے، وہ نہ سب کی پوجا کرسکتے ہیں اور نہ سب کو خوش کرسکتے ہیں۔ پھر ان کو دلی اطمینان اور سکون کہاں سے حاصل ہوسکتا ہے؟

برخلاف اس کے توحید کے ماننے والے کو ایک ہی اللہ کی عبادت کرنا ہے اور اسی کی رضا کا طالب بننا ہے اس لئے وہ ذہنی پریشانی سے بچ جاتا ہے، اس کو یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور دل کا سکون اور اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

۶۵۔ یعنی تعریف کا مستحق اللہ ہی ہے جو بڑی خوبیوں والا ہے۔ مگر اکثر لوگ اس روشن حقیقت کو بھی نہیں جانتے اور دوسروں میں خدائی کی صفات کا عقیدہ رکھتے ہیں اور ان کے گن گانے لگتے ہیں۔

۶۶۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اس صریح حجت کے بعد بھی یہ لوگ پیغمبر کی دعوتِ توحید کو قبول نہیں کرتے تو نہ کریں۔ مرنا تو سب کو ہے پھر یہ لوگ مرکر کہاں جائیں گے؟ انہیں لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہوگا۔

آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرکے فرمایا گیا ہے کہ ''اِنَّکَ مَیِّتٌ'' (تم کو بھی مرنا ہے) جس سے واضح ہوا کہ نبی کی شخصیت بھی موت سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ آپ پر بھی موت وارد ہونے والی تھی اور بعد میں وارد ہوئی۔ اور موت روح کی جسم سے جدائی کا نام ہے اس لئے آپ کے جسم میں روح باقی نہیں رہی۔ البتہ عالم برزخ میں آپ کی روح یقیناً زندہ ہے اور زندگی بھی نہایت اعلیٰ وارفع۔ کیوں کہ جب شہداء کے بارے میں قرآن کہتا ہے کہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کے زندہ ہونے کا احساس نہیں ہوتا، تو ایک نبی جس کا مرتبہ شہداء سے بہت بلند ہے اس کا عالم برزخ میں زندہ رہنا شبہ سے بالاتر ہے۔ مگر اس زندگی کو دنیوی زندگی پر ہرگز قیاس نہیں کیا جاسکتا اور نہ اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ہر جگہ حاضر و ناظر ہیں۔

۶۷۔ یعنی قیامت کے دن ہر فریق اپنا اپنا مقدمہ اللہ کے حضور پیش کریگا۔ توحید کے ماننے والے مشرکوں اور کافروں کے خلاف مقدمہ پیش کریں گے اور مشرکین اور کفار اپنے دفاع کی ناکام کوشش کریں گے۔

۶۸۔ اللہ کے بارے میں کوئی بات بھی ایسی کہنا جو خلافِ واقعہ ہے اس پر جھوٹ باندھنا ہے، خواہ وہ اللہ کی ذات وصفات کے تعلق سے ہو یا اس کے دین کے تعلق سے، مثلاً یہ بات کہنا کہ خدا کے بیٹا یا بیٹیاں ہیں یا یہ کہ تمام مذاہب اس کے نزدیک پسندیدہ ہیں یا یہ کہ اس نے اولیاء کو تصرف کے ایسے اختیارات دیئے ہیں کہ وہ حاضر و ناظر بھی ہیں اور فریادرسی بھی کرتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ پر جو جھوٹ بھی باندھا جائے زبردست جسارت کی بات ہے اور ایسا شخص حد درجہ غلط کار اور سب سے بڑا ظالم ہے۔

۶۹۔ سچائی سے مراد قرآن ہے۔

۷۰۔ یعنی اللہ کا پیغمبر جو قرآن لے کر آیا۔

۷۱۔ مراد پیغمبر کے پیرو ہیں جو قرآن اور پیغمبر کو سچا مان کر ان پر ایمان لے آئے۔

۷۲۔ یعنی یہی لوگ درحقیقت اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔

۷۳۔ ایمان، تقویٰ اور حسنِ عمل کے اوصاف جن لوگوں نے اپنے اندر پیدا کر لئے وہ اللہ کے ہاں اس طرح فائز المرام (اپنے مقصد میں کامیاب) ہوں گے کہ ان کی تمام آرزوئیں پوری ہونگی اور وہ جو چاہیں گے وہ انہیں ملے گا۔ کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کے لئے انہیں تکلیف اور رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ اس لئے ان کی زندگی اطمینان، سکون، راحت اور مسرت کی زندگی ہوگی۔

۷۴۔ یہ نیکوکاروں (محسنین) کی جزا بیان ہوئی ہے کہ اگر ایسے شخص سے کوئی بہت بُرا عمل بھی سرزد ہوا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کو مٹا دیگا اور اس کے بہترین اعمال کی قدر کرتے ہوئے بہترین جزا عنایت فرمائے گا۔ یہ بات ایسے شخص کے لئے جو نیکی کی زندگی گزارتا ہوا اتفاقاً سرزد ہونے والے گناہوں کی بخشش کے سلسلہ میں امید کا بڑا سہارا ہے۔

واضح رہے کہ یہ وعدہ ان لوگوں سے نہیں ہے جو مسلمان ہو کر فسق و فجور کی زندگی گزارتے ہیں۔ آیت کے الفاظ فاسقوں اور فاجروں پر کسی طرح چسپاں نہیں ہوتے۔

۷۵۔ یعنی انہوں نے جو جھوٹے معبود بنا کر رکھے ہیں، وہ ان سے تمہیں ڈراتے ہیں کہ کہیں وہ تمہیں آفت اور مصیبت میں مبتلا نہ کردیں۔ یہ ان کی محض وہمی باتیں ہیں ورنہ اللہ کے سوا کسی کے اختیار میں کچھ نہیں ہے کہ وہ کسی کا کچھ بگاڑ سکے نہ بتوں کے اختیار میں اور نہ دیوی دیوتاؤں کے اختیار میں۔

۷۶۔ ہدایت اور گمراہی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو قاعدہ مقرر کر رکھا ہے اسی کے مطابق آدمی ہدایت پاتا ہے یا گمراہ ہو جاتا ہے۔ کسی گمراہ شخص کو ہدایت دینا کسی کے بس کی بات نہیں اور نہ کسی ہدایت یافتہ کو گمراہ کرنا کسی کے بس کی بات ہے۔ شیطان گمراہی کی طرف بلا تو سکتا ہے لیکن زبردستی کسی کو گمراہ نہیں کرسکتا۔

۷۷۔ اللہ غالب ہے، اس لئے اس کے احکام نافذ ہو کر رہتے ہیں اور وہ سزا دینے والا ہے۔ اس لئے جہاں حق و عدل کا تقاضا ہوتا ہے اس کی سزا کا قانون حرکت میں آتا ہے۔ یہ تنبیہ ہے کافروں اور مشرکوں کو کہ وہ یہ خیال نہ کریں کہ اللہ ان کے کفر، شرک اور بغاوت کی سزا نہیں دے گا۔

۷۸۔ یعنی جب تم مانتے ہو کہ آسمانوں اور زمین کا خالق اللہ ہی ہے، نہ کہ بت یا دیوی اور دیوتا۔ پھر نفع و نقصان پہنچانے والا بھی وہی ہے۔ تم نے جن کو معبود بنا رکھا ہے وہ اس کے ارادہ کو نافذ ہونے سے کس طرح روک سکتے ہیں؟ پھر جو ذات حقیقت میں نفع و نقصان پہنچانے والی ہے اس کو چھوڑ کر ان کو نفع و نقصان پہنچانے والا سمجھنا کیسی نامعقول بات ہے۔

کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو (اس کے حضور) سفارشی بنا رکھا ہے؟ کہو! کیا وہ اس صورت میں بھی سفارش کریں گے جب کہ وہ نہ کوئی اختیار رکھتے ہوں اور نہ سمجھتے ہوں؟ کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے۔ آسمانوں اور زمین کی فرمانروائی اللہ ہی کے لئے ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (القرآن)

قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹﴾

۳۹ کہو! اے میری قوم کے لوگو! تم اپنی جگہ کام کرو میں اپنی جگہ کام کرتا رہوں گا۔ عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا۔

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۴۰﴾

۴۰ (کہ) کس پر وہ عذاب آتا ہے جو اسے رسوا کر کے رکھ دے گا اور وہ عذاب نازل ہوتا ہے جو اس پر قائم رہنے والا ہوگا۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰى فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۴۱﴾

۴۱ اور ہم نے لوگوں کے لئے یہ کتاب تم پر حق کے ساتھ اتاری ہے ۷۹۔ تو جو ہدایت حاصل کرے گا وہ اپنے ہی لئے کرے گا۔ اور جو گمراہ ہوگا تو اس کی گمراہی کا وبال اسی پر پڑے گا ۸۰۔ اور (اے پیغمبر!) تم ان پر ذمہ دار نہیں مقرر کئے گئے ہو۔ ۸۱

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِىْ لَمْ تَمُتْ فِىْ مَنَامِهَا ۚ فَيُمْسِكُ الَّتِىْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۲﴾

۴۲ اللہ ہی جانوں (روحوں) کو قبض کرتا ہے ان کی موت کے وقت۔ اور ان (جانوں) کو بھی جن کو موت نہیں آئی نیند کی حالت میں ۸۲۔ پھر جن کی موت کا فیصلہ وہ کر چکا ہوتا ہے ان کو وہ روک لیتا ہے ۸۳۔ اور دوسری جانوں (روحوں) کو ایک مقررہ وقت کیلئے واپس بھیج دیتا ہے ۸۴۔ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو غوروفکر کرتے ہیں۔ ۸۵

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ ۭ قُلْ اَوَلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْـًٔـا وَّلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۳﴾

۴۳ کیا انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو (اس کے حضور) سفارشی بنا رکھا ہے؟ کہو! کیا وہ اس صورت میں بھی سفارش کریں گے جب کہ وہ نہ کوئی اختیار رکھتے ہوں اور نہ سمجھتے ہوں؟ ۸۶

قُلْ لِّلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيْعًا ۭ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۴۴﴾

۴۴ کہو شفاعت ساری کی ساری اللہ کے اختیار میں ہے ۸۷۔ آسمانوں اور زمین کی فرمانروائی اللہ ہی کے لئے ہے۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وَاِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَحْدَهُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۚ وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

۴۵ جب صرف اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے دل کڑھنے لگتے ہیں۔ اور جب اس کے سوا دوسروں کا ذکر ہوتا ہے تو وہ خوش ہوجاتے ہیں۔ ۸۸

قُلِ اللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِىْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

۴۶ کہو اے اللہ! ۸۹ آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے، غائب اور حاضر کے جاننے والے، تو اپنے بندوں کے درمیان ان باتوں کا فیصلہ کرے گا جن کے بارے میں وہ اختلاف کر رہے ہیں۔ ۹۰

۷۹۔ یعنی اس کتاب کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا بھی برحق ہے اور اس میں جو کچھ پیش کیا گیا ہے وہ بھی حق ہی حق ہے۔ اور یہ اس لئے نازل کی گئی ہے تاکہ اس کی افادیت عام ہو اور لوگ اس سے ہدایت حاصل کریں۔

۸۰۔ قرآن جس راہ کی طرف بلا رہا ہے اس کو جو شخص بھی قبول نہیں کرے گا وہ گمراہ ہے اور اس کی گمراہی کا خمیازہ اسی کو بھگتنا ہوگا۔

۸۱۔ یعنی تم ان کے اعمال کے ذمہ دار نہیں ہو۔

۸۲۔ موت کی حقیقت تو نفس انسانی کی۔۔۔ جس کا دوسرا نام روح ہے۔۔۔ جسم سے مکمل جدائی ہے۔ اسی سے ملتی جلتی کیفیت نیند میں بھی ہوتی ہے، جب تمیز (شناخت) اور فہم و ادراک کی قوتیں معطل ہو جاتی ہیں۔ اس لئے نیند کی حالت کو بھی موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ (انعام: ۶۰) ''اور وہی ہے جو رات کے وقت تمہیں وفات دیتا ہے۔''

گویا شعور کا غائب ہو جانا نفسِ انسانی کا غائب ہو جانا ہے۔ یہ کس طرح غائب ہوتا اور کہاں جاتا ہے اس سے ہم بالکل لاعلم ہیں۔ البتہ قرآن ہمیں اس حقیقت سے آگاہ کرتا ہے کہ اللہ اسے قبض کرتا ہے اور بے شعوری کی یہ حالت موت کے مترادف ہے۔

۸۳۔ یعنی نیند کی حالت میں جن کی قضا آتی ہے ان کو پھر شعور کی حالت میں نہیں لایا جاتا۔ اور یہ واقعہ ہے کہ کتنے ہی لوگ نیند کی حالت میں مر جاتے ہیں۔

۸۴۔ یعنی جن کی موت کا فیصلہ نہیں ہو چکا ہوتا ان کا شعور واپس لوٹ آتا ہے اور وہ بیدار ہو جاتے ہیں۔ شعور کی یہ واپسی گویا نفسِ انسانی کی واپسی ہے جو اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے۔

۸۵۔ نشانیاں اللہ کے کمال قدرت کی، نفسِ انسانی پر اس کے اقتدار اور غلبہ کی، اس کے علم اور اس کی رحمت کی نیز اس بات کی کہ زندگی و موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اور نیند کے بعد بیداری، موت کے بعد زندہ ہونے کی واضح مثال بھی ہے اور دلیل بھی۔ لیکن ان نشانیوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو غور و فکر کرنے والے یعنی بیدار مغز ہوتے ہیں۔ رہے بے شعور لوگ تو وہ سوتے ہی رہیں گے۔ ان کو ہوش اس وقت آئے گا جب وہ اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں گے۔

۸۶۔ مراد بُت ہیں جن کی پرستش کی ایک توجیہ ان کے پرستار یہ کرتے ہیں کہ وہ ہماری پرستش سے خوش ہو کر خدا کے حضور ہمارے لئے سفارش کریں گے اور ہمیں مصیبت اور عذاب سے بچالیں گے اور اگر آخرت برپا ہوئی تو ہمیں پروانۂ نجات دلا کر رہیں گے۔ گویا ان کی پرستش واسطہ اور وسیلہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کی نامعقولیت ان پر واضح کرنے کے لئے ان سے پوچھا جا رہا ہے کہ وہ سفارش کس طرح کریں گے؟ جب کہ نہ ان کو سفارش کا کوئی اختیار ہے اور نہ وہ عقل رکھتے ہیں کہ کسی کی پکار سُن سکیں اور اس کے حق میں سفارش کر سکیں۔ یہ مٹی اور پتھر کے بت کیا خاک سفارش کریں گے!

۸۷۔ یعنی اللہ کے عذاب سے نجات دلانا کسی کے اختیار میں نہیں۔ کوئی نہیں جو اس کے حضور کسی کو عذاب سے بچانے کے لئے اس کی اجازت کے بغیر زبان کھول سکے کجا یہ کہ وہ سفارش منوا کر رہے۔

سفارش (شفاعت) کا غلط تصور ہی ہے جو آدمی کو شرک میں مبتلا کر دیتا ہے اور وہ نجات اخروی کے معاملہ میں بے فکر ہو جاتا ہے۔ قرآن نے جا بجا اس بات کی صراحت کی ہے کہ شفاعت پر تکیہ کئے رہنا صحیح نہیں۔ نجات کا دارومدار عمل پر ہے۔ شفاعت اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوگی اور وہ جن کو اجازت دے گا اور جس وقت دے گا، وہ ان کے حق میں شفاعت کر سکیں گے، جن کیلئے شفاعت وہ پسند فرمائے گا۔ اور مشرکین کیلئے تو شفاعت کا کوئی سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کیوں کہ شرک ناقابل معافی گناہ ہے۔

۸۸۔ یہ ہے شرک کرنے والوں کی ذہنیت۔ اللہ کے ذکر سے انہیں دلچسپی نہیں ہوتی۔ جب اس کی وحدانیت کی بات کی جاتی ہے تو وہ ناگواری محسوس کرنے لگتے ہیں اور جب ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا نام ان کے سامنے آتا ہے تو خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔
مسلمانوں میں سے بھی وہ لوگ جنہوں نے انبیاء اور اولیاء کو خدا کا درجہ دے رکھا ہے، یا رسول اللہ! اور یا غوث! جیسے نعرے لگانا اور سننا بہت پسند کرتے ہیں۔ لیکن توحید کی باتیں کہ اللہ کے سوا نہ کوئی حاضر و ناظر ہے اور نہ غوث (یعنی فریاد کو پہنچنے والا)، سننا تک گوارا نہیں کرتے۔

۸۹۔ خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور آپ کے واسطہ سے اہل ایمان سے ہے۔

۹۰۔ یہ دعائیہ انداز میں اللہ پر توکل کا اظہار ہے۔

(اے نبی!) کہہ دو کہ (اللہ فرماتا ہے) اے میرے بندو!
جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی ہے، اللہ کی رحمت سے
مایوس نہ ہوں۔ اللہ سارے گناہ بخش دے گا۔ وہ بڑا معاف
کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔ اور رجوع کرو اپنے رب کی
طرف اور اس کے فرمانبردار بنو! قبل اس کے کہ تم پر عذاب
آئے۔ پھر تم کو کوئی مدد مل نہ سکے گی۔ (القرآن)

وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ
مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ
وَبَدَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مَا لَمْ يَكُوْنُوْا يَحْتَسِبُوْنَ ﴿۴۷﴾

۴۷ اور اگر ان ظالموں کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اسی کے بقدر اور بھی ہو، تو یہ قیامت کے دن بُرے عذاب سے بچنے کیلئے سب کچھ فدیہ میں دینے کیلئے تیار ہو جائیں گے ۹۱۔ اور اللہ کی طرف سے وہ کچھ ان کے سامنے آئے گا جس کا ان کو گمان بھی نہیں تھا۔

وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ
يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۴۸﴾

۴۸ ان کی کمائی کے بُرے نتائج ان کے سامنے آئیں گے اور جس چیز کا وہ مذاق اڑاتے رہے ہیں وہ ان کو گھیر لے گی۔ ۹۲۔

فَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ ضُرٌّ دَعَانَا ۡ ثُمَّ اِذَا خَوَّلْنٰهُ نِعْمَةً
مِّنَّا ۙ قَالَ اِنَّمَآ اُوْتِيْتُهٗ عَلٰي عِلْمٍ ۭ بَلْ هِيَ فِتْنَةٌ
وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۹﴾

۴۹ جب انسان کو کوئی دکھ پہنچتا ہے تو ہمیں پکارتا ہے۔ پھر جب ہم اسے اپنی طرف سے نعمت عنایت کرتے ہیں، تو کہتا ہے کہ یہ تو مجھے (اپنے) علم کی بنا پر ملی ہے ۹۳۔ نہیں، بلکہ یہ ایک آزمائش ہے۔ لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔ ۹۴۔

قَدْ قَالَهَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ
مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۵۰﴾

۵۰ یہی بات ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی کہی تھی مگر انہوں نے جو کچھ کمایا تھا وہ ان کے کچھ کام نہ آیا۔ ۹۵۔

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۭ وَالَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْ
هٰٓؤُلَاۗءِ سَيُصِيْبُهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا ۙ وَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۱﴾

۵۱ اور اپنی کمائی کے بُرے نتائج ان کو بھگتنا پڑے۔ اور ان لوگوں میں سے بھی جو ظالم ہیں وہ اپنی کمائی کے بُرے نتائج سے عنقریب دو چار ہوں گے۔ وہ ہمارے قابو سے نکل جانے والے نہیں ہیں۔

اَوَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيَقْدِرُ ۭ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

۵۲ کیا انہیں نہیں معلوم کہ اللہ جس کے لئے چاہتا ہے رزق کشادہ کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے نپا تلا کر دیتا ہے۔ یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لاتے ہیں۔ ۹۶۔

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا
مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ۭ
اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

۵۳ (اے نبی!) کہہ دو کہ (اللہ فرماتا ہے) اے میرے بندو! ۹۷۔ جنہوں نے اپنے نفس پر زیادتی کی ہے ۹۸۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ اللہ سارے گناہ بخش دے گا ۹۹۔ وہ بڑا معاف کرنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ
ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۵۴﴾

۵۴ اور رجوع کرو اپنے رب کی طرف اور اس کے فرمانبردار بنو! قبل اس کے کہ تم پر عذاب آئے۔ پھر تم کو کوئی مدد مل نہ سکے گی ۱۰۰۔

۹۱۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ مائدہ نوٹ ۱۲۴۔ ۔

۹۲۔ یعنی عذاب۔

۹۳۔ یعنی اپنی قابلیت اور ہنر وغیرہ کی وجہ سے، حالانکہ اسے کہنا چاہئے تھا کہ یہ نعمت مجھے اللہ کے فضل اور اس کے احسان کی وجہ سے ملی ہے مگر وہ اپنی قابلیت کے زعم میں اپنے محسن کو بھول جاتا ہے۔ اگر قابلیت کی بنیاد پر آدمی کے لئے دنیوی نعمتیں حاصل کرنا ممکن ہوتا تو کتنے ہی قابل لوگ محروم نہ رہ جاتے اور کتنے ہی ایسے لوگ جو علم اور قابلیت نہیں رکھتے دنیوی مال ومتاع کی فراوانی سے بہرہ مند نہ ہوتے۔

۹۴۔ یعنی بہت سے لوگ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ نعمتیں اللہ ہی کے عطا کرنے سے حاصل ہوتی ہیں، اور اس لئے عطاء کی جاتی ہیں تاکہ وہ وجہ آزمائش بنیں کہ ان کو پالینے کے بعد آدمی اللہ کا احسان مانتا ہے یا نہیں اور اس کا شکر ادا کرتا ہے یا نہیں۔

۹۵۔ یعنی گزری ہوئی قومیں بھی مال ودولت کی فراوانی اور اپنی مادی ترقی کو اپنے ہنر اور سائنس کا نتیجہ قرار دیتی اور ان پر اتراتی رہیں ہیں۔ لیکن جب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آیا تو یہ چیزیں ان کے کچھ بھی کام نہ آسکیں۔

۹۶۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ روم نوٹ ۶۶۔

۹۷۔ ''اے میرے بندو'' سے مراد اللہ کے بندے ہیں نہ کہ رسول کے۔ اور یہ بات نفسِ مضمون سے بھی واضح ہے اور قرآن کے دوسرے بہت سے مقامات سے بھی، جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یا عبادی کہہ کر خطاب کیا ہے نیز اس لئے بھی کہ اسلام کا بنیادی عقیدہ یہی ہے کہ تمام انسان اللہ ہی کے بندے ہیں کسی اور کے نہیں۔ پھر اس آیت میں رسول کے بندے مراد لینے کی کیا تک ہے؟ مگر بدعتی تفسیر میں ایسی بے تکی باتیں بھی بیان ہوئی ہیں اور بڑی جسارت کے ساتھ کہا گیا ہے کہ تمام مسلمان حضور کے بندے ہیں جب کہ عربی کی مستند تفاسیر میں سے کسی میں بھی یہ معنی بیان نہیں ہوئے ہیں۔

اصل میں قرآن کا اسلوب ایجاز (اختصار) کا ہے۔ اس لئے وہ ان الفاظ کو حذف کر دیتا ہے جن پر مضمون دلالت کرتا ہے۔ مگر جو لوگ اپنی بدعتوں کو قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں وہ الفاظ میں الجھ کر رہ جاتے ہیں۔ ان کو صدف سے مطلب ہوتا ہے گہر سے نہیں۔

اللہ کے ارشاد کا مطلب بالکل واضح ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے گنہگار بندوں سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں۔

۹۸۔ یعنی گناہ کئے ہیں۔

۹۹۔ یہ گنہگاروں کے لئے نہایت امید افزا پیام ہے۔ گناہ خواہ کیسے ہی بڑے بڑے سرزد ہوئے ہوں۔ اللہ کی رحمت سے مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور اصلاح کا موقع باقی ہے۔ اگر توبہ کر کے اپنا طرزِ عمل درست کر لو تو اللہ تمہارے وہ سارے گناہ جو تم سے سرزد ہو چکے ہیں معاف کر دے گا لہٰذا اپنی روش بدلو اور اللہ کی رحمت ومغفرت کے مستحق بنو۔

آیت کا یہ مفہوم بعد والی آیتوں سے بھی مطابقت رکھتا ہے جن میں اللہ کی طرف رجوع کرنے، اس کا فرمانبردار بننے اور قرآن کی اتباع کرنے کی ہدایت کی گئی ہے اور ایسا نہ کرنے پر عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔ اس لئے اس سیاق کلام (Context) میں آیت کا یہ مطلب ہو ہی نہیں سکتا کہ جتنے چاہو گناہ کرتے رہو اللہ تعالیٰ سب کو بخش دیگا۔ آیت کا منشاء گنہگار کو گناہ کا لائسنس دینا نہیں بلکہ ان کو توبہ اور اصلاح کی طرف راغب کرنا ہے خاص طور سے مشرکین اور کفار کو جن کی زندگیاں گناہوں سے آلودہ رہی ہیں۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اس پر اچھی روشنی ڈالی ہے۔

’’یہ آیتِ کریمہ کافروں اور دیگر تمام گناہگاروں کو توبہ وانابت کی دعوت دیتی ہے اور خبر دیتی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کے تمام گناہ معاف کردے گا۔ جو گناہوں سے توبہ کریں گے اور ان سے باز آئیں گے خواہ گناہ کیسے ہی ہوں اور سمندر کے جھاگ سے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں۔لیکن اس آیت کو توبہ نہ کرنے والوں پر محمول کرنا صحیح نہ ہوگا۔ کیوں کہ شرک بغیر توبہ کے بخشا نہیں جائے گا۔‘‘ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۵۸)

۱۰۰ ۔ آیت کے مضمون سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کے اولین مخاطب مشرکین اور کفار ہیں۔ انہیں توبہ کر کے اسلام قبول کرنے (اللہ کا فرمانبردار بننے) کی دعوت دی گئی ہے۔

اورتمہارے رب کی طرف سے (قرآن) جو
بہترین چیز تمہاری طرف نازل ہوئی ہے، اس کی
پیروی کرو قبل اس کے کہ تم پر اچانک عذاب آئے
اورتم کواس کی خبر بھی نہ ہو۔ (القرآن)

وَاتَّبِعُوٓا أَحۡسَنَ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُم مِّن قَبۡلِ أَن
يَأۡتِيَكُمُ ٱلۡعَذَابُ بَغۡتَةً وَأَنتُمۡ لَا تَشۡعُرُونَ ﴿٥٥﴾

۵۵ اور تمہارے رب کی طرف سے جو بہترین چیز تمہاری طرف
نازل ہوئی ہے ۱۰۱؎، اس کی پیروی کرو قبل اس کے کہ تم پر اچانک
عذاب آئے اور تم کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔

أَن تَقُولَ نَفۡسٌ يَٰحَسۡرَتَىٰ عَلَىٰ مَا فَرَّطتُ فِي جَنۢبِ ٱللَّهِ
وَإِن كُنتُ لَمِنَ ٱلسَّٰخِرِينَ ﴿٥٦﴾

۵۶ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص کہنے لگے افسوس میری اس کوتاہی
پر، جو میں اللہ کے معاملہ میں کرتا رہا اور میں مذاق اڑانے والوں
میں سے تھا۔ ۱۰۲؎

أَوۡ تَقُولَ لَوۡ أَنَّ ٱللَّهَ هَدَىٰنِي لَكُنتُ مِنَ ٱلۡمُتَّقِينَ ﴿٥٧﴾

۵۷ یا کہنے لگے اگر اللہ نے مجھے ہدایت دی ہوتی تو میں بھی متقیوں
میں سے ہوتا۔ ۱۰۳؎

أَوۡ تَقُولَ حِينَ تَرَى ٱلۡعَذَابَ لَوۡ أَنَّ لِي كَرَّةً فَأَكُونَ مِنَ
ٱلۡمُحۡسِنِينَ ﴿٥٨﴾

۵۸ یا جب عذاب کو دیکھ لے تو کہنے لگے اگر مجھے (دنیا میں) لوٹنے
کا ایک اور موقع مل جائے، تو میں نیک عمل کرنے والوں میں سے بن
جاؤں گا۔ ۱۰۴؎

بَلَىٰ قَدۡ جَآءَتۡكَ ءَايَٰتِي فَكَذَّبۡتَ بِهَا وَٱسۡتَكۡبَرۡتَ
وَكُنتَ مِنَ ٱلۡكَٰفِرِينَ ﴿٥٩﴾

۵۹ کیوں نہیں، میری آیتیں تیرے پاس آئی تھیں لیکن تو نے ان کو
جھٹلایا اور تکبر کیا اور تو کافروں میں سے تھا۔ ۱۰۵؎

وَيَوۡمَ ٱلۡقِيَٰمَةِ تَرَى ٱلَّذِينَ كَذَبُوا عَلَى ٱللَّهِ وُجُوهُهُم
مُّسۡوَدَّةٌۚ أَلَيۡسَ فِي جَهَنَّمَ مَثۡوًى لِّلۡمُتَكَبِّرِينَ ﴿٦٠﴾

۶۰ اور جن لوگوں نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے قیامت کے دن تم
دیکھو گے کہ ان کے چہرے سیاہ ہیں ۱۰۶؎ ۔کیا ان تکبر کرنے
والوں کا ٹھکانہ جہنم میں نہیں ہے ؟ ۱۰۷؎

وَيُنَجِّي ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ٱتَّقَوۡا بِمَفَازَتِهِمۡ لَا يَمَسُّهُمُ ٱلسُّوٓءُ
وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ﴿٦١﴾

۶۱ اور اللہ ان لوگوں کو نجات دے گا ۱۰۸؎، جو متقی بنے رہے ان
کے کامیاب ہونے کی بنا پر۔ ان کو نہ کوئی تکلیف پہنچے گی اور نہ وہ غمگین
ہوں گے۔

ٱللَّهُ خَٰلِقُ كُلِّ شَيۡءٍۖ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٍ وَكِيلٌ ﴿٦٢﴾

۶۲ اللہ ہر چیز کا خالق ہے اور وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔ ۱۰۹؎

لَّهُۥ مَقَالِيدُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۗ وَٱلَّذِينَ كَفَرُوا بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ
أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡخَٰسِرُونَ ﴿٦٣﴾

۶۳ آسمانوں اور زمین کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں ۱۱۰؎۔ اور
جنہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا ۱۱۱؎، وہی لوگ گھاٹے میں
رہنے والے ہیں۔

قُلۡ أَفَغَيۡرَ ٱللَّهِ تَأۡمُرُوٓنِّيٓ أَعۡبُدُ أَيُّهَا ٱلۡجَٰهِلُونَ ﴿٦٤﴾

۶۴ کہو اے جاہلو! کیا تم مجھے اللہ کے سوا کسی اور کی عبادت کرنے کا
حکم دیتے ہو؟ ۱۱۲؎

۱۰۱۔ مراد قرآن ہے۔

۱۰۲۔ یعنی اگر تم نے قرآن کی اتباع نہیں کی تو قیامت کے دن پچھتانا پڑے گا۔ اللہ کے معاملہ میں جس نے بھی کوتاہی کی ہو گی، یعنی اپنی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کیا ہو گا وہ اس پر افسوس کرے گا، اور اس وقت اسے احساس ہو گا کہ قرآن اور اسلام کو مذاق بنا لینا کتنی زبردست غلطی تھی۔

۱۰۳۔ اللہ نے قرآن کے ذریعے تمام انسانوں کی ہدایت کا سامان کر دیا ہے، تا کہ قیامت کے دن کوئی شخص یہ نہ کہے کہ اگر اللہ نے مجھے ہدایت دی ہوتی تو میں متقی بن گیا ہوتا۔

۱۰۴۔ یعنی عذاب کو دیکھ لینے کے بعد امتحان کا موقع باقی نہیں رہے گا اور دنیا میں لوٹائے جانے کی تمنا ہرگز پوری نہیں ہو سکے گی۔ لہٰذا چاہئے کہ ہر شخص اللہ کے تعلق سے اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور حق کو قبول کرنے اور اس کی پیروی کرنے میں پس وپیش نہ کرے۔

۱۰۵۔ یعنی قیامت کے دن ان پچھتانے والوں سے کہا جائے گا کہ تم نے ہدایت حاصل کیوں نہیں کی اور نیک کیوں نہیں بنے جب کہ میری آیتیں (احکام) تمہارے پاس پہنچ چکی تھیں؟ ان کو قبول کرنے میں کیا عذر مانع تھا؟ تم نے ان کو جھٹلا دیا تھا اور گھمنڈ کرتے رہے اور اخیر وقت تک انکار (کفر) پر بضدر ہے لہٰذا تم اپنے کئے کے ذمہ دار ہو اور اب تمہیں عذاب ہی بھگتنا ہو گا۔

۱۰۶۔ جھوٹ اور پھر وہ اللہ پر بولا جائے، چہرہ کی رونق کو ختم کر دیتا ہے اور قیامت کے دن تو اس گناہ کی سیاہی چہرے کو بالکل سیاہ کر کے رکھ دے گی۔

۱۰۷۔ یعنی جو لوگ اللہ کی بات ماننے کے بجائے اپنی بات پر مصر رہتے ہیں وہ تکبر اور گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں اور جو لوگ اللہ کے مقابل میں تکبر (بڑائی) کریں ان کا ٹھکانہ بجا طور پر جہنم ہی میں ہو سکتا ہے۔ کیوں کہ عدل کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ سے بغاوت و سرکشی کی سزا جہنم ہو۔

۱۰۸۔ یعنی قیامت کے دن عذاب سے بچا لے گا۔

۱۰۹۔ یعنی اللہ نے کائنات کو پیدا کر کے یونہی چھوڑ نہیں دیا ہے، بلکہ وہ ایک ایک چیز کی نگہبانی کر رہا ہے ایک ایک شخص پر وہ نگاہ رکھے ہوئے ہے۔

۱۱۰۔ یعنی وہی آسمانوں اور زمین کے خزانوں کا مالک اور متصرف (اپنے اختیارات استعمال کرنے والا) ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس کا ان خزانوں پر اختیار ہو کہ کسی کو کچھ دلا سکے۔ نہ بت، نہ دیو اور نہ ولی۔

۱۱۱۔ آیتوں سے مراد توحید کی نشانیاں بھی ہیں، اللہ کے احکام بھی اور قرآن کی آیتیں بھی۔

۱۱۲۔ یہ سخت جواب ہے ان جاہلوں کو، جو توحید کے دلائل واضح ہو جانے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اصرار کر رہے تھے، کہ آپ بھی ان کے بتوں کی پوجا کریں۔ ایسے نادانوں پر کلام نرم و نازک بے اثر ہوتا ہے۔ اس لئے حکمتِ دعوت کا تقاضا ہے کہ انہیں سخت تنبیہ کی جائے اور جاہل کہہ کر انہیں خطاب کرنے کا فائدہ یہ ہے کہ ممکن ہے وہ چونک جائیں۔

وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿٦٥﴾

۶۵ حالانکہ تمہاری طرف بھی اور تم سے پہلے گزرے ہوئے (انبیاء) کی طرف بھی، یہ وحی بھیجی جا چکی ہے کہ تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا اور تم گھاٹے میں رہو گے۔ ۱۱۳؎

بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِينَ ﴿٦٦﴾

۶۶ (لہٰذا غیر اللہ کی عبادت نہ کرو) بلکہ اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے شکر گزار بنو۔ ۱۱۴؎

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۖ وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِينِهٖ ۚ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٦٧﴾

۶۷ ان لوگوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق ہے ۱۱۵؎۔ قیامت کے دن پوری زمین اس کی مٹھی میں ہوگی اور آسمان اس کے دہنے ہاتھ میں لپیٹے ہوئے ہوں گے ۱۱۶؎۔ پاک اور برتر ہے وہ اس شرک سے جو یہ کرتے ہیں۔ ۱۱۷؎

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ۖ ثُمَّ نُفِخَ فِيهِ أُخْرٰى فَإِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُونَ ﴿٦٨﴾

۶۸ اور صور پھونکا جائے گا تو جو بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے سوائے ان کے جن کو اللہ چاہے۔ ۱۱۸؎ (کہ بے ہوش نہ ہوں) پھر دوسرا صور پھونکا جائے گا تو یکایک لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور دیکھنے لگیں گے۔ ۱۱۹؎

وَأَشْرَقَتِ الْأَرْضُ بِنُورِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِايٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿٦٩﴾

۶۹ زمین اپنے رب کے نور سے چمک اٹھے گی ۱۲۰؎۔ اعمال کا ریکارڈ رکھ دیا جائے گا ۱۲۱؎۔ انبیاء اور گواہ حاضر کر دیئے جائیں گے ۱۲۲؎۔ اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا ۱۲۳؎۔ اور ان کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی جائے گی۔

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُونَ ﴿٧٠﴾

۷۰ ہر شخص کو اس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ لوگ جو کچھ کرتے ہیں اس کو وہ خوب جانتا ہے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتّٰى إِذَا جَآءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ رَبِّكُمْ وَيُنْذِرُونَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۚ قَالُوا بَلٰى وَلٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿٧١﴾

۷۱ اور کافروں کو جہنم کی طرف گروہ در گروہ ہانکتے ہوئے لے جایا جائے گا ۱۲۴؎۔ یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے تو اس کے دروازے کھول دیئے جائیں گے ۱۲۵؎۔ اور اس کے نگراں ان سے پوچھیں گے کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جنہوں نے تمہارے رب کی آیتیں تمہیں سنائی ہوں اور تمہارے اس دن کے پیش آنے سے تمہیں ڈرایا ہو؟ ۱۲۶؎ وہ کہیں گے ضرور آئے تھے لیکن کافروں پر عذاب کا فرمان پورا ہو کر رہا۔ ۱۲۷؎

۱۱۳۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ ہم نے تم پر بھی یہ وحی بھیجی ہے اور تم سے پہلے جو انبیاء گزرے ہیں ان پر بھی یہ وحی بھیجی تھی کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے تمام اعمال اکارت جائیں گے اور تم تباہ ہو کر رہ جاؤ گے۔ ہر نبی کو شرک سے بچنے کی اس سختی کے ساتھ جو تاکید کی گئی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ شرک ایسا سنگین گناہ ہے کہ اس معاملہ میں کسی کے ساتھ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ایک نبی سے بھی شرک کے سرزد ہونے کا احتمال ہوتا ہے بلکہ یہ بات اس لئے ارشاد ہوتی ہے تاکہ شرک کی سزا کے معاملہ میں اللہ کے قانون کا بے لاگ ہونا واضح ہو جائے۔

۱۱۴۔ واضح ہوا کہ اللہ کا شکر گذار وہی ہو سکتا ہے جو صرف اس کی عبادت کرے۔ بت پرست اور مشرک اللہ کا شکر گذار ہرگز نہیں ہو سکتا۔

۱۱۵۔ یعنی اللہ کی عظمت کا صحیح تصور وہ نہ کر سکے اور اس کے مرتبہ کو وہ جان نہ سکے۔

۱۱۶۔ اس سے اللہ کی عظمت کا تصور قائم ہوتا ہے۔ قیامت کے دن زمین کا اس کی مٹھی میں ہونا اور آسمانوں کا اس کے ہاتھ میں لپٹا ہوا ہونا اس کے کمالِ قدرت اور کمالِ تصرف کا مظہر ہوگا۔ قیامت کے دن جب لوگ اس کا مشاہدہ کریں گے تو انہیں اللہ کی عظمت کا صحیح اندازہ ہوگا۔ یہاں یہ بحث فضول ہے کہ اللہ کی مٹھی اور ہاتھ سے مراد کیا ہے۔ تاویل کے چکر میں پڑے بغیر مدعا کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے اور مدعا بالکل واضح ہے۔ جہاں تک سلف کا تعلق ہے وہ کہتے تھے کہ اس کلام کا منشا لوگوں کو اللہ کی عظمت اور اس کے جلال سے آگاہ کرنا ہے لیکن وہ اللہ کی مٹھی اور ہاتھ کو مجاز پر محمول نہیں کرتے تھے۔ ساتھ ہی اللہ کو جسم اور اعضاء سے منزہ (پاک) قرار دیتے تھے۔ (دیکھئے تفسیر روح المعانی جزء ۲۴ ص ۲۶) درحقیقت اللہ کی صفات کے معاملہ میں عقیدہ کا مسئلہ بڑا ہی نازک ہے اور بعد والوں نے کلامی (فلسفیانہ) بحثوں میں پڑ کر مسئلہ کو بہت الجھا دیا ہے اس لئے سلامتی کی راہ یہی ہے کہ آدمی سلف کے طریقہ کو اختیار کرے۔ اور اللہ کے لئے مٹھی، ہاتھ وغیرہ کے جو الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کی کوئی تاویل نہ کرتے ہوئے کلام کے اصل مدعا کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

آیت کے مدعا کو صحیح مسلم کی حدیث مزید واضح کرتی ہے جس میں بیان ہوا ہے کہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اس آیت کو منبر پر پڑھا۔ آپ اپنی انگلیوں کو بند کرتے اور کھولتے ہوئے فرما رہے تھے: اللہ آسمانوں اور زمین کو اپنے دونوں ہاتھ میں لے گا اور فرمائے گا میں ہوں اللہ، میں ہوں بادشاہ۔ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ میں دیکھ رہا تھا کہ منبر نیچے سے ہل رہا ہے یہاں تک کہ مجھے اندیشہ محسوس ہوا کہ کہیں منبر آپ کے ساتھ گر نہ پڑے۔ (مسلم کتاب صفات المنافقین)

۱۱۷۔ جب زمین و آسمان اللہ کے دستِ قدرت میں ہیں تو پھر کسی اور خدا کا وجود کہاں رہا؟

۱۱۸۔ قیامت کا پہلا صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان کی تمام ذی عقل اور ذی روح مخلوق پر سخت دہشت طاری ہوگی (جیسا کہ سورۂ نمل آیت ۸۷ میں بیان ہوا ہے) اور پھر سب بے ہوش ہو کر گر پڑیں گے اور جو انسان زمین پر ہوں گے وہ سب مر جائیں گے۔ قیامت کی بے ہوشی سے وہی فرشتے اور روحیں مستثنیٰ ہوں گی جن کو اللہ کی مشیت مستثنیٰ قرار دینے کی متقاضی ہوگی۔ اور اس کا علم اللہ ہی کو ہے کہ وہ کن افراد کو مستثنیٰ قرار دے گا۔

۱۱۹۔ دوسرے صور کے تعلق سے انسان کا حال بیان کیا جا رہا ہے کہ جب وہ پھونکا جائے گا تو تمام انسان فوراً زندہ ہو کر قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے اور حیرت سے دیکھنے لگیں گے کہ یہ ہم کس عالم میں پہنچ گئے ہیں۔

۱۲۰۔ سورج کی بساط تو پہلے ہی لپیٹی جا چکی ہوگی اس لئے میدان حشر میں نئی روشنی کا انتظام ہوگا اور وہ یہ کہ اللہ کے نور سے زمین جگمگا اٹھے گی۔ اس نور کی نسبت اللہ کی طرف کس معنی میں ہے اس کا تعین کرنا ہمارے لئے مشکل ہے کیوں کہ یہ محض قیاسی بات ہوگی جس سے احتراز ضروری ہے۔ البتہ یہ

بات بخوبی واضح ہے کہ جب زمین اس روشنی سے جگمگا اٹھے گی تو ہر چیز اپنی اصل حالت میں دکھائی دے گی۔کوئی چیز بھی ڈھکی چھپی اور غیر مرئی (جو نہ دیکھی جاسکے) نہیں رہے گی۔انسان کی نگاہ بھی بہت تیز ہوگی اور جو حقیقتیں اس کی نگاہوں سے اوجھل رہی ہیں ان کا وہ عینی مشاہدہ بھی کرلے گا۔

۱۲۱۔ یعنی اللہ کی عدالت برپا ہوگی تمام انسانوں کے اعمال کا ریکارڈ جو دنیا میں فرشتے تیار کرتے رہے ہیں سامنے رکھ دیا جائے گا۔

۱۲۲۔ انبیاء عدالتِ الٰہی میں حاضر ہوکر گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچایا تھا اور انہوں نے یہ اور یہ جواب دیا۔ دوسرے گواہوں سے مراد انبیاء علیہم السلام کے سچے پیرو ہیں جنہوں نے لوگوں کو دینِ حق کی دعوت دی تھی وہ بھی گواہی دیں گے کہ انہوں نے لوگوں تک دعوت پہنچائی تھی۔

۱۲۳۔ یعنی اعمال کے ریکارڈ اور گواہوں کے بیان کے بعد ہر ہر فرد کے بارے میں فیصلہ چکا دیا جائے گا اور یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ حق وعدل کے ساتھ فرمائے گا۔

۱۲۴۔ یہ سورہ کی اختتامی آیات ہیں جن میں اس وقت کا مشاہدہ کرادیا گیا ہے جب عدالتِ الٰہی فیصلہ سنا چکی ہوگی اور کافروں کو جہنم کی طرف اور متقیوں کو جنت کی طرف لے جایا جائے گا۔قرآن نے قیامت کے اس واقعہ کی اس طرح عکاسی کی ہے کہ گویا جہنم اور جنت اس دنیا ہی میں بے نقاب ہوکر سامنے آگئے ہیں۔اس سے یقین کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے وہ منطقی استدلال سے نہیں ہوسکتی۔

سورہ کے آغاز اور اس کے مرکزی مضمون کے پیشِ نظر یہاں کافروں سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے توحید کو قبول کرنے اور اللہ کی مخلصانہ عبادت کرنے سے انکار کیا،قرآن اور اس کے پیغمبر کو جھٹلاتے رہے۔آخرت کے انجام کی کوئی پرواہ نہیں کی اور شرک، بت پرستی اور بدعقیدگی میں مبتلا رہے۔

۱۲۵۔ جہنم قید خانہ ہے جس کے دروازے مجرموں کے وہاں پہنچنے پر کھول دیئے جائیں گے۔

۱۲۶۔ یعنی جہنم کے دروازوں پر جو فرشتے مامور ہوں گے وہ ان مجرمین سے کہیں گے کہ کیا اللہ کی حجت اس کے رسولوں کے ذریعہ تمہارے پاس پہنچی نہ تھی اور کیا تمہیں اس دن کی پیشی سے آگاہ نہیں کیا گیا تھا؟ پھر تم کیوں کافر بنے رہے؟

۱۲۷۔ وہ اعتراف کریں گے کہ اللہ کے رسولوں کے ذریعہ ہم پر حجت قائم ہوئی تھی لیکن عذاب ہمارے لئے مقدر تھا اس لئے ہم حق کا انکار کرتے رہے۔وہ اپنے جرم کی کوئی توجیہ نہ کرسکیں گے۔اس لئے اپنی قسمت ہی کو روئیں گے۔

اور جولوگ اللہ سے ڈرتے رہے انہیں گروہ در گروہ جنت کی
طرف لے جایا جائے گا، یہاں تک کہ جب وہ اس کے
پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے گئے ہوں
گے، تو اس کے پاسبان ان سے کہیں گے سلام ہو تم پر، اچھے
ہو تم، داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لئے۔ (القرآن)

قِيلَ ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٢﴾

۷۲ کہا جائے گا داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں۔ اس میں ہمیشہ رہو گے۔ تو کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے متکبروں کا! ۱۲۸

وَسِيقَ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا وَفُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِينَ ﴿٧٣﴾

۷۳ اور جو لوگ اللہ سے ڈرتے رہے انہیں گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جایا جائے گا ۱۲۹، یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھول دیئے گئے ہوں گے ۱۳۰، تو اس کے پاسبان ان سے کہیں گے سلام ہو تم پر، اچھے ہو تم، داخل ہو جاؤ اس میں ہمیشہ کے لئے۔ ۱۳۱

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي صَدَقَنَا وَعْدَهُ وَأَوْرَثَنَا الْأَرْضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَاءُ ۖ فَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ﴿٧٤﴾

۷۴ وہ کہیں گے شکر ہے اللہ کا ۱۳۲، جس نے ہمارے حق میں اپنا وعدہ سچا کر دکھایا اور ہم کو زمین کا وارث بنایا ۱۳۳، تاکہ ہم جنت میں جہاں چاہیں رہیں ۱۳۴۔ تو کیا خوب اجر ہے (نیک) عمل کرنے والوں کا! ۱۳۵

وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ ۖ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٧٥﴾

۷۵ اور تم دیکھو گے کہ فرشتے عرش کے گرد حلقہ بنائے اپنے رب کی حمد و تسبیح کر رہے ہیں ۱۳۶۔ اور لوگوں کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا ۱۳۷ اور کہا جائے گا کہ حمد ہے اللہ رب العالمین کے لئے۔ ۱۳۸

۱۲۸۔ اللہ کے مقابل میں تکبر کرنے والوں کی سزا جہنم ہے اور وہ بھی ہمیشہ کے لئے۔ اتنی کڑی سزا کو سن کر بھی جو لوگ ٹس سے مس نہ ہوں وہ عذاب کو دیکھ کر ہی ہوش میں آسکتے ہیں۔

۱۲۹۔ کافروں اور متکبروں کے مقابلہ میں متقیوں کا انجام بیان ہوا ہے۔ واضح ہوا کہ جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان کا رویہ تکبر کرنے والوں کے رویہ سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ وہ گناہ کے ہر کام سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں جب کہ تکبر کرنے والے گناہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

متقیوں کو جب کامیابی کا فیصلہ سنایا جائے گا تو انہیں فرشتے جنت کی طرف لے چلیں گے۔ ان کی یہ روانگی نہایت شاندار طریقہ پر گروہوں کی شکل میں ہوگی۔ گویا متقیوں کے جلوس فرشتوں کے جِلو میں پوری شان و شوکت کے ساتھ ابدی کامیابی کی منزل کی طرف روانہ ہوں گے۔ کتنا دل خوش کن منظر ہوگا وہ!

۱۳۰۔ یعنی جنت کے دروازے ان کے استقبال کے لئے پہلے سے ہی کھول دئے گئے ہوں گے گویا جنت ان کی منتظر ہوگی۔

۱۳۱۔ جنت کے پاسبان ان گروہوں کا بڑا پرتپاک استقبال کریں گے۔ ان کا خیر مقدم وہ سلام سے کریں گے۔ اور ان کی پاکیزگی اور اچھائی کا ذکر کر کے ان کی قدر افزائی کریں گے۔ وہ انہیں جنت میں داخل ہونے کے لئے کہیں گے اس خوشخبری کے ساتھ کہ یہاں تم ہمیشہ رہوگے۔

۱۳۲۔ جنت میں داخل ہونے والوں کی شان یہ بھی ہوگی کہ وہ اس میں داخل ہوتے ہی اللہ کا شکر ادا کریں گے۔ اور ان کی زبان پر اللہ کے لئے حمد کے کلمات ہوں گے۔

۱۳۳۔ زمین سے مراد جنت کی زمین ہے اور اس کا وارث بنانے کا مطلب اس کا مالک بنا دینا ہے۔

۱۳۴۔ یعنی جنت نہایت وسیع ہوگی اس لئے اپنے محل سے باہر سیر و تفریح کرنے اور قیام کرنے کے پورے مواقع حاصل ہوں گے۔

۱۳۵۔ جنت کے بارے میں بہ کثرت لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ وہ مفت میں ملے گی، لیکن یہ آیت اس اصولی حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ جنت نیک عمل کرنے والوں کو اجر کے طور پر دی جائے گا۔

۱۳۶۔ یعنی قیامت کے دن تم بہ چشم سر دیکھو گے کہ فرشتے اللہ کی عبادت میں سرگرم ہیں۔ وہ عرش الٰہی کے گرد حلقہ بنا کر اجتماعی طور پر اللہ کی تسبیح کرنے اور اس کے گن گانے میں مشغول ہیں۔ اللہ کی عظمت اور اس کی شان کو ظاہر کرنے والا یہ منظر کتنا روح پرور ہوگا!

۱۳۷۔ یعنی تمام انسانوں کے درمیان ان کے انجام کے تعلق سے فیصلہ چکا دیا گیا ہوگا۔ اور یہ فیصلہ حق و عدل کی بنیاد پر کر دیا گیا ہوگا۔ جو شخص اپنے عمل کے اعتبار سے جس چیز کا مستحق ہوگا، وہی چیز اس کو بدلہ میں دی جائے گی۔ ناانصافی کسی کے ساتھ بھی نہیں ہوگی۔

۱۳۸۔ یعنی تمام لوگوں کا فیصلہ چکا دینے کے بعد صدا اٹھے گی کہ اللہ رب العالمین کے لئے حمد ہی حمد ہے۔ کیوں کہ حمد کا حقیقتاً مستحق اللہ ہی ہے اور اس لئے بھی کہ اس نے اپنی عدالت برپا کر کے جو فیصلے چکا دیئے وہ کمال درجہ عدل پر مبنی تھے۔ نیز اس لئے بھی کہ اس موقع پر اس کے عدل کی صفت ہی ظاہر نہیں ہوئی بلکہ اس کی یہ شان بھی ظاہر ہوئی کہ وہ کمال درجہ کی خوبیوں سے متصف ہے۔

سورۂ المؤمن

۴۰۔المؤمن

نام آیت ۲۸ میں ایک مردِ مؤمن کا قصہ بیان ہوا ہے، جس نے فرعون کے دربار میں موسیٰ علیہ السلام کی کھل کر حمایت کی تھی۔اسی مناسبت سے اس سورہ کا نام ''المؤمن'' ہے۔

زمانۂ نزول مکی ہے اور مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورۂ زمر کے متصلاً بعد نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون اس سورہ میں ان لوگوں پر گرفت کی گئی ہے،جنہوں نے توحید کے خلاف بحثیں کھڑی کردی تھیں۔اور جو رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہوگئے تھے۔

نظم کلام آیت ۱ تا ۳ تمہیدی آیات ہیں، جن میں اس کتاب کے نازل کرنے والے کی معرفت بخشی گئی ہے۔

آیت ۴ تا ۶ میں اللہ کی آیتوں میں بحثیں کھڑی کرنے والوں کو بُرے انجام سے آگاہ کردیا گیا ہے۔

آیت ۷ تا ۹ میں اہل ایمان کو یہ روح پرور خوشخبری سنائی گئی ہے کہ ان کی مغفرت کے لئے فرشتے دعا کرتے ہیں۔

آیت ۱۰ تا ۲۲ میں کافروں اور مشرکوں کو تنبیہ اور نصیحت ہے۔

آیت ۲۳ تا ۴۶ میں حضرت موسیٰ کی دعوت کے مقابلہ میں فرعون نے جو کٹ حجتی کی تھی اس کو بیان کیا گیا ہے۔اور اسی ضمن میں اس مردِ مؤمن کی دعوتِ ایمانی کو تفصیل کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، جو اس نے فرعون کے بھرے دربار میں پوری جرأت کے ساتھ پیش کی تھی۔اور پھر آلِ فرعون کا انجام بھی بیان کیا گیا ہے۔

آیت ۴۷ تا ۵۵ میں ان لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے جو آنکھیں بند کرکے بڑے بننے والوں کے پیچھے چلتے ہیں، ساتھ ہی اہل ایمان کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ وہ ان لوگوں کی مخالفتوں کا کوئی اثر قبول نہ کریں، بلکہ اپنے موقف پر جمے رہیں۔

آیت ۵۶ تا ۸۵ میں اللہ کے دین کے معاملہ میں بحث وجدال کرنے والوں کے سامنے بطریق احسن توحید کی حجت پیش کی گئی ہے اور ساتھ ہی کفرو شرک کے بُرے انجام سے بھی آگاہ کردیا گیا ہے۔

سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾

غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِى الطَّوْلِ
لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾

مَا يُجَادِلُ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَلَا يَغْرُرْكَ
تَقَلُّبُهُمْ فِى الْبِلَادِ ﴿۴﴾

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّالْاَحْزَابُ مِنْۢ بَعْدِهِمْ
وَهَمَّتْ كُلُّ اُمَّةٍۢ بِرَسُوْلِهِمْ لِيَاْخُذُوْهُ وَجٰدَلُوْا
بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ فَاَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ
كَانَ عِقَابِ ﴿۵﴾

وَكَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ
اَصْحٰبُ النَّارِ ﴿۶﴾

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ
بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ
رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ
تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ﴿۷﴾

۴۰۔سُوْرَةُ الْمُؤْمِنُ

آیات: ۸۵

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ حا ۔ میم ۔ ا؎

۲ اس کتاب کا اتارا جانا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب اور علم والا ہے۔ ۲؎

۳ گناہ بخشنے والا، توبہ قبول کرنے والا، سخت سزا دینے والا اور بڑے فضل والا ہے ۳؎ ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

۴ اللہ کی آیتوں میں وہی لوگ بحثیں کھڑی کرتے ہیں جو کافر ہیں ۴؎۔ بڑے بڑے شہروں میں ان کی آمد و رفت تمہیں دھوکہ میں نہ ڈالے۔ ۵؎

۵ اس سے پہلے نوح کی قوم ۶؎ بھی جھٹلا چکی ہے اور ان کے بعد دوسری قومیں بھی۔ ہر قوم نے اپنے رسول کو اپنی گرفت میں لینا چاہا ۷؎۔ باطل کا سہارا لے کر وہ بحثیں کرتے رہے تاکہ اس کے ذریعہ حق کو شکست دیں۔ مگر میں نے ان کو پکڑ لیا۔ تو دیکھو کیسا رہا میرا عذاب!

۶ اسی طرح تمہارے رب کا فرمان ان لوگوں پر لاگو ہو گیا ہے کہ جنہوں نے کفر کیا وہ جہنمی ہیں۔ ۸؎

۷ (وہ فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں ۹؎۔ اور جو اس کے ارد گرد ہیں وہ اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں ۱۰؎۔ اور اس پر ایمان رکھتے ہیں ۱۱؎۔ اور جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے وہ مغفرت کی دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب! تو اپنی رحمت اور اپنے علم سے ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے تو ان لوگوں کو معاف کر دے۔ جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستے پر چلے اور انہیں عذاب جہنم سے بچا۔ ۱۲؎

ا۔ 'ح' اور 'م' الگ الگ حروف ہیں۔ایسے حروف کوحروفِ مقطعات کہتے ہیں جن کی تشریح سورۂ بقرہ نوٹ ا۔ اور سورۂ یونس نوٹ ا۔ میں گزر چکی ہے۔
'ح' اور 'م' کا اشارہ اللہ کے حکیم (حکمت والا) ہونے کی طرف ہے، جس کا حوالہ فرشتوں نے اپنی دعاؤں میں دیا ہے اور جس کا ذکر اس سورہ کی آیت ۷ میں ہوا ہے۔لفظ حکیم کا پہلا حرف 'ح' ہے اور آخری حرف 'م' گویا یہ حروف اللہ کی معرفت کا نشان ہیں اور اس کی صفت حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔
اس سورہ کے بعد چھ متصل سورتوں کا آغاز بھی ان ہی حروف (حٰم) سے ہوا ہے اور ان سب سورتوں میں اس کی صفتِ حکمت یا اس کے حکیمانہ فیصلوں کا ذکر ہوا ہے۔

۲۔ جب یہ کتاب اس ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے، جو سب کچھ جاننے والی ہے اور جس کے علم کی کوئی انتہا نہیں، تو اس کتاب میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا حق اور مطابقِ واقعہ ہونا لازمی اور یقینی بات ہے۔

۳۔ ان صفات کے ذکر سے مقصود اس بات کی ترغیب دینا ہے کہ بندے اپنے گناہوں کی اس سے معافی مانگیں کہ وہ توبہ قبول کرتا ہے، گناہ کے کاموں سے باز رہیں کہ وہ بڑی سخت سزا دیتا ہے اور اس کے فضل کے امیدوار بنیں کہ وہ بڑے فضل والا ہے۔

۴۔ یعنی جن لوگوں نے قرآن کے معاملہ میں معقول رویہ اختیار کرنے کے بجائے غیر سنجیدہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے اور انکار ہی کی ٹھان لی ہے وہ اس کی آیتوں پر الٹے سیدھے اعتراضات کرتے ہیں اور بحثیں کھڑی کرتے ہیں۔
آج بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو قرآن کو سمجھنے کی کوشش تو نہیں کرتے البتہ اس کو اپنے اعتراضات کا نشانہ بنا لیتے ہیں۔

۵۔ یعنی ان کافروں کو جو مادی وسائل حاصل ہوئے ہیں اور وہ اپنی دنیا کو شاندار بنانے کے لئے جو سرگرمی دکھا رہے ہیں، اس سے یہ غلط فہمی لاحق نہیں ہونی چاہئے کہ یہ لوگ اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہیں اور وہ ان کے کفر اور معصیت کی سزا انہیں نہیں دے گا۔

۶۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورہ اعراف نوٹ ۹۵۔

۷۔ یعنی اللہ کی نصرت ہمیشہ اپنے رسول کے ساتھ رہتی ہے اس لئے اس کے دشمن اس کو اپنی گرفت میں نہیں لے سکے اور اپنی سازشوں میں کامیاب نہ ہو سکے۔اسی طرح اس رسول کے معاملہ میں بھی اس کے دشمن اپنے منہ کی کھائیں گے۔

۸۔ یعنی اپنے کفر کی وجہ سے بالآخر جہنم میں پہنچنے والے ہیں۔

۹۔ اس کی کیفیت ہمیں نہیں معلوم اور چونکہ یہ بات غیب سے تعلق رکھتی ہے اس لئے کسی بحث میں پڑے بغیر اس پر ایمان لانا چاہئے۔

۱۰۔ یعنی مقرب فرشتے اللہ کی تسبیح و حمد میں سرگرم رہتے ہیں۔اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تسبیح (اللہ کی پاکی بیان کرنا) اور اس کی حمد و ثنا کس شان کی عبادت ہے۔اس کا جتنا زیادہ اہتمام کیا جائے اتنا ہی زیادہ اللہ میں دل لگے گا، بشرطیکہ یہ صرف زبان کا ورد نہ ہو بلکہ قلب و ذہن بھی اس سے ہم آہنگ ہوں۔

۱۱۔ اگرچہ فرشتوں پر کتنی ہی حقیقتیں عیاں ہیں مثلاً عرشِ الٰہی وغیرہ۔تاہم اللہ کی ذات و صفات کے بارے میں کتنی ہی باتیں ان کے لئے بھی اَسرار ہوں گی اس لئے ان کے لئے بھی ضروری ہے کہ اللہ پر ایمان رکھیں، اور یہ آیت صراحت کرتی ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

۱۲۔ کتنے بڑے شرف اور سعادت کی بات ہے اہل ایمان کے لئے کہ فرشتے عرش الٰہی کے پاس ان کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہیں!
واضح رہے کہ فرشتے مغفرت کی یہ دعا نام نہاد مسلمانوں کیلئے نہیں کرتے جو فسق و فجور میں غرق رہتے ہیں، بلکہ جیسا کہ آیت میں صراحت سے بیان ہوا ہے ان لوگوں کیلئے کرتے ہیں، جنہوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اللہ کے راستے پر چلے، یعنی جنہوں نے اپنی اصلاح کی اور راہِ ہدایت پر چلتے رہے۔
یہ بھی واضح رہے کہ یہاں فرشتوں کی دعا کا ذکر ہوا ہے نہ کہ شفاعت کا اور یہ دعا بھی گروہِ مؤمنین کیلئے ہے نہ کہ مخصوص افراد کیلئے۔شفاعت کا معاملہ تو قیامت کے دن پیش آئے گا اور وہ افراد سے متعلق ہوگا اور اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی شفاعت کے لئے زبان نہیں کھول سکے گا۔

رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۸﴾

۸ اے ہمارے رب! ان کو ہمیشگی کی جنتوں میں داخل کر جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کو بھی جوان کے والدین، ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے صالح ہوں ۱۳۔ بیشک تو غالب اور حکمت والا ہے۔ ۱۴۔

وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ۭ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَىِٕذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ۭ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۹﴾

۹ اور انہیں بُرے نتائج سے بچا۔ اور جن کو تو نے اس دن بُرے نتائج سے بچایا ان پر تو نے یقیناً رحم فرمایا ۱۵۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰﴾

۱۰ جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو پکار کر کہا جائے گا تم اپنے سے جس قدر بیزار ہو اس سے کہیں زیادہ بیزار تم سے اللہ تھا جب کہ تم کو ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی اور تم کفر کرتے تھے۔ ۱۶۔

قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فَاعْتَرَفْنَا بِذُنُوْبِنَا فَهَلْ اِلٰى خُرُوْجٍ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۱۱﴾

۱۱ وہ کہیں گے اے ہمارے رب! تو نے ہمیں دو مرتبہ موت دی اور دو مرتبہ زندگی دی ۱۷۔ اب ہم اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ تو کیا یہاں سے نکلنے کی بھی کوئی سبیل ہے؟

ذٰلِكُمْ بِاَنَّهٗٓ اِذَا دُعِيَ اللّٰهُ وَحْدَهٗ كَفَرْتُمْ ۚ وَاِنْ يُّشْرَكْ بِهٖ تُؤْمِنُوْا ۭ فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ ﴿۱۲﴾

۱۲ تم اس انجام کو اس لئے پہنچے کہ جب اللہ وحدہٗ کی طرف بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے۔ اور جب اس کے شریک ٹھہرائے جاتے تو تم مانتے تھے ۱۸۔ اب حکم (فیصلہ) اللہ بلند و برتر ہی کا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ وَيُنَزِّلُ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ رِزْقًا ۭ وَمَا يَتَذَكَّرُ اِلَّا مَنْ يُّنِيْبُ ﴿۱۳﴾

۱۳ وہی ہے ۱۹، جو تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے اور آسمان سے تمہارے لئے رزق نازل کرتا ہے۔ مگر یاددہانی وہی حاصل کرتا ہے جو (اللہ کی طرف) رجوع کرنے والا ہو۔

فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾

۱۴ تو اللہ ہی کو پکارو دین (بندگی) کو اس کیلئے خالص کر کے ۲۰۔ خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ ۲۱۔

رَفِيْعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الْعَرْشِ ۚ يُلْقِي الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِهٖ لِيُنْذِرَ يَوْمَ التَّلَاقِ ﴿۱۵﴾

۱۵ وہ بلند درجوں والا ۲۲، مالک عرش ہے ۲۳۔ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے اپنے حکم سے روح (وحی) نازل کرتا ہے ۲۴، تا کہ وہ پیشی کے دن سے خبردار کرے۔

يَوْمَ هُمْ بٰرِزُوْنَ ڬ لَا يَخْفٰى عَلَي اللّٰهِ مِنْهُمْ شَيْءٌ ۭ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۭ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۱۶﴾

۱۶ وہ دن کہ لوگ نکل پڑیں گے ۲۵۔ ان کی کوئی بات اللہ سے مخفی نہیں ہوگی۔ آج بادشاہی کس کی ہے؟ اللہ واحد قہار کی۔ ۲۶۔

۱۳۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ رعد نوٹ ۵۵۔
'صالح ہوں' کی صراحت اس بات کو مزید واضح کرتی ہے کہ فرشتوں کی یہ دعا مؤمنین صالحین کیلئے ہے، جس سے ان کے خلوص ومحبت کا اظہار ہوتا ہے۔

۱۴۔ اللہ کی ان صفات کا ذکر اس بات کے اظہار کے لئے ہے کہ فیصلہ تیرے اختیار میں ہے اور تیرا کوئی فیصلہ حکمت سے خالی نہیں ہوسکتا۔

۱۵۔ یعنی تو ان پر رحم فرما کہ قیامت کے دن ان کو بُرے نتائج کا سامنا نہ کرنا پڑے اور وہ اس دن کے شدائد سے محفوظ رہیں۔

۱۶۔ کافر جہنم میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ سے سخت بیزاری محسوس کریں گے کہ یہ ہم کیا کر بیٹھے کہ ہمیں سنگین سزا بھگتنا پڑ رہی ہے۔ اس وقت انہیں یاد دلایا جائے گا کہ تمہیں دنیا میں ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی مگر تم انکار کرتے تھے۔ اس وقت اللہ کی تم سے بیزاری اس سے زیادہ تھی جتنی آج تمہاری اپنے آپ سے ہے۔ اور جب تم نے ایسا جرم کیا جو اللہ کی بیزاری اور اس کی برہمی کا باعث ہے تو اب اپنے کئے کی سزا بھگتو۔

۱۷۔ دو مرتبہ کی موت سے مراد ایک تو وہ جسم ہے جو رحم مادر میں تخلیق کے ابتدائی مرحلہ میں ہوتا ہے اور ابھی اس میں جان نہیں پڑی ہوتی۔ یہ جسم چونکہ مُردہ ہوتا ہے اس لئے اس کو موت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور دوسرے مرتبہ کی موت وہ ہے جب اس کی روح قبض ہوتی ہے۔ اور وہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ اور دو مرتبہ کی زندگی سے مراد ایک تو دنیا کی زندگی ہے اور دوسری قیامت کے دن کی جب مردہ انسان قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے۔ سورۂ بقرہ کی آیت ۲۸ اس آیت کی تفسیر کرتی ہے۔ اس میں ارشاد ہوا ہے:۔

وَ كُنتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (البقرہ:۲۸)

''تم مُردہ تھے تو اس نے تم کو زندگی بخشی پھر وہ تمہیں موت دیگا پھر تم کو زندہ کریگا۔ پھر اُسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔''

واضح رہے کہ یہاں صرف جسمانی موت اور جسمانی زندگی کا ذکر ہو رہا ہے۔ رہی عالم برزخ (قبر) کی زندگی تو اس کا تعلق محض روح سے ہے، کیوں کہ جسم تو فنا ہوجاتا ہے۔ اس لئے اس کی نوعیت اس زندگی کی سی نہیں ہے جو روح کے جسم سے الحاق کی صورت میں ہوتی ہے بلکہ وہ ایک خاص قسم کی روحانی زندگی ہے، جس میں روح پر یا تو عذاب ہوتا ہے یا وہ راحت وآسائش میں رہتی ہے۔ لہٰذا اس آیت میں ان لوگوں کیلئے کوئی دلیل نہیں ہے جو قبر کے عذاب سے انکار کرتے ہیں۔

۱۸۔ یعنی تمہیں توحید سے دلچسپی نہیں تھی البتہ شرک سے بڑی دلچسپی تھی۔ بدعقیدہ لوگوں کا یہی حال ہے۔ ان کے سامنے خالص توحید پیش کیجئے تو وہ اس کا انکار کریں گے یا سُنی اَن سُنی کردیں گے۔ لیکن اگر کوئی گمراہ شخص ان کے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا ذکر کرے تو وہ عقیدت کا اظہار کریں گے۔

۱۹۔ اوپر شرک کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ اب توحید کو قبول کرنے کی دعوت دی جارہی ہے۔

۲۰۔ یعنی اللہ ہی کے بندے بن کر اسی کو حاجت روائی کے لئے پکارو اور اسی کی عبادت کرو۔

۲۱۔ یعنی توحید خالص کو اختیار کرنے میں کافروں اور غیر مسلموں کی ناراضگی مانع نہیں ہونا چاہئے۔ معاملہ اصلاً اللہ سے ہے اس لئے اس کے غضب سے بچنا چاہئے۔

۲۲۔ یعنی اس کی شان اور مرتبہ بہت بلند ہے لہٰذا اس کو مخلوق پر قیاس کرنا اور اس کا ہمسر ٹھہرانا سراسر باطل اور اس کی شان میں صریح گستاخی ہے۔

۲۳۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ اعراف نوٹ ۸۳۔

۲۴۔ روح (وحی) کی تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ نحل نوٹ ۳۔

۲۵۔ یعنی قبروں سے نکل پڑیں گے۔

۲۶۔ دنیا میں جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے امانۃً اقتدار سپرد کیا تھا ان میں سے اکثر لوگ اپنے آپ کو اقتدار کا مالک سمجھتے رہے اور اپنی بادشاہی اور حاکمیت کے دعویدار بنے رہے۔لیکن قیامت کے دن جب سوالیہ نشان بن کر یہ صدا بلند ہوگی کہ آج بادشاہی کس کی ہے تو بادشاہت اور حاکمیت کے ان سب دعویداروں کو سانپ سونگھ جائے گا۔ کیوں کہ اس روز کسی کے پاس کوئی اقتدار نہ ہوگا۔ سب بے بس بندے کی حیثیت سے اللہ کے حضور حاضر ہوں گے۔اس وقت صدا بلند ہوگی کہ آج بادشاہی اکیلے اللہ کی ہے جو ایسا زبردست ہے کہ سب اس کے آگے مغلوب ہیں۔

قیامت کے دن تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آئے گی کہ اللہ ہی فرمانروائے حقیقی ہے،لیکن دنیا میں بھی اس کو بصیرت کی آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے اس لئے اسلام کا مطالبہ ہے کہ ایک اللہ کو فرمانروائے حقیقی تسلیم کرو۔

کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔ وہ قوت میں بھی ان سے کہیں بڑھ کر تھے اور زمین پر آثار چھوڑنے کے اعتبار سے بھی۔ مگر اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔ اور کوئی نہ تھا جو ان کو اللہ (کی پکڑ) سے بچاتا۔ (القرآن)

اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۷﴾

۱۷ آج ہر نفس کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا۔آج کوئی ظلم نہ ہوگا۔ بیشک اللہ حساب چکانے میں تیز ہے۔۲۷؎

وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِيْنَ ؕ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ حَمِيْمٍ وَّلَا شَفِيْعٍ يُّطَاعُ ﴿۱۸﴾

۱۸ اور ڈراؤ، ان کو اس دن سے جو قریب آلگا ہے ۲۸؎، جب کلیجے منہ کو آلگیں گے اور وہ غم سے گھٹ رہے ہوں گے۔ظالموں کا نہ کوئی دوست ہوگا اور نہ سفارشی جس کی بات مانی جائے۔۲۹؎

يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ ﴿۱۹﴾

۱۹ وہ نگاہوں کی خیانت بھی جانتا ہے ۳۰؎۔اور وہ باتیں بھی جو سینوں نے چھپا رکھی ہیں۔۳۱؎

وَاللّٰهُ يَقْضِىْ بِالْحَقِّ ؕ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَقْضُوْنَ بِشَىْءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ﴿۲۰﴾

۲۰ اللہ بالکل صحیح فیصلہ فرمائے گا۔اور جن (معبودوں) کو یہ اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کسی چیز کا بھی فیصلہ کرنے والے نہیں ۳۲؎ ۔بلا شبہ اللہ ہی سب کچھ سننے والا دیکھنے والا ہے۔۳۳؎

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَانُوْا هُمْ اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِى الْاَرْضِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ﴿۲۱﴾

۲۱ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا انجام کیا ہوا جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں۔وہ قوت میں بھی ان سے کہیں بڑھ کر تھے اور زمین پر آثار چھوڑنے کے اعتبار سے بھی ۳۴؎۔مگر اللہ نے ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا۔اور کوئی نہ تھا جو ان کو اللہ (کی پکڑ) سے بچاتا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَكَفَرُوْا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ قَوِىٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۲﴾

۲۲ یہ اس لئے ہوا کہ ان کے پاس ان کے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے تھے۔مگر انہوں نے انکار کیا تو اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔یقیناً وہ بڑی قوت والا اور سخت سزا دینے والا ہے۔۳۵؎

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۳﴾

۲۳ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں اور واضح حجت کے ساتھ بھیجا۔۳۶؎

اِلٰى فِرْعَوْنَ وَهَامٰنَ وَقَارُوْنَ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ﴿۲۴﴾

۲۴ فرعون، ہامان ۳۷؎ اور قارون ۳۸؎ کی طرف، تو انہوں نے کہا یہ جادوگر ہے جھوٹا۔

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوا اقْتُلُوْٓا اَبْنَآءَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ ؕ وَمَا كَيْدُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِىْ ضَلٰلٍ ﴿۲۵﴾

۲۵ اور جب وہ ہمارے پاس سے حق لے کر ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہا قتل کرو ان لوگوں کے بیٹوں کا جو اس کے ساتھ ایمان لائیں ہیں اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دو ۳۹؎ ۔مگر ان کافروں کی چال اکارت گئی۔۴۰؎

۲۷۔ یعنی یہ خیال نہ کرو کہ اربوں اور کھربوں انسانوں کا حساب چکانے میں اللہ کو دیر لگے گی۔ اللہ کو انسانی حاکم پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ وہ اگر ہر روز ہزاروں جانوں کو پیدا کرتا ہے اور ہزاروں جانوں کو موت دیتا ہے اور اربوں انسانوں کو بیک وقت رزق دیتا ہے، تو اربوں اور کھربوں انسانوں کا بیک وقت حساب چکانا اس کیلئے کیا مشکل ہے۔ وہ بیک وقت لاتعداد انسانوں کی طرف فرداً فرداً متوجہ ہوسکتا ہے۔ اور ان کا الگ الگ حساب لے سکتا ہے۔

۲۸۔ یعنی قیامت کی گھڑی کو دور نہ سمجھو۔ وہ بہت جلد قائم ہونے والی ہے۔

۲۹۔ یہ اس فاسد عقیدہ کی تردید ہے کہ فلاں اور فلاں ہماری شفاعت کریں گے اور ان کی شفاعت لازماً مانی جائے گی۔ شفاعت کے اس غلط عقیدہ ہی کی بنا پر لوگ آخرت سے بے پرواہ ہوگئے ہیں۔

۳۰۔ نگاہوں کی خیانت یہ ہے کہ آدمی چوری چھپے ان چیزوں پر نگاہ ڈالے جن کا دیکھنا منع ہے۔ مثلاً کسی اجنبی عورت کو دیکھنے کیلئے تاک جھانک کرنا، خفیہ طریقہ پر کسی کے ستر پر نگاہ ڈالنا یا فحش مناظر اور تصویریں دیکھنا وغیرہ۔ اگر آدمی اللہ سے ڈرنے والا ہو تو وہ اپنی نگاہوں کو بچائے گا کہ وہ کسی ایسی چیز پر نہ پڑیں جس کا دیکھنا حرام ہے۔ کیوں کہ اسے معلوم ہے کہ اللہ سے کوئی چیز بھی چھپی نہیں رہ سکتی یہاں تک کہ آنکھوں کا چوری چھپے دیکھ لینا بھی۔

۳۱۔ یعنی دلوں کا حال، نیت، ارادے قصد، وغیرہ۔

۳۲۔ یعنی قیامت کے دن جو فیصلہ کا دن ہوگا اللہ کے سوا کوئی نہ ہوگا جو انسانوں کے اعمال اور ان کے درمیان نزاعات کا فیصلہ چکائے۔

عیسائی حضرت مسیح کے بارے میں یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ قیامت کے دن انسانوں کے درمیان ان کے اعمال کے مطابق فیصلہ فرمائیں گے۔ (دیکھئے متی ۲۵: ۳۱ تا ۴۶) یہ عقیدہ بالکل باطل ہے اور قرآن کی یہ ایک آیت ہی اس کی تردید کے لئے کافی ہے۔

۳۳۔ یہ دلیل ہے اس بات کی جب اللہ کے سوا کوئی نہیں جو سب کچھ سننے اور دیکھنے والا ہو، تو فیصلہ کرنے کا اہل بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔

۳۴۔ یعنی تمدنی ترقی کے آثار۔ اشارہ ہے قوم ثمود، مدین وغیرہ کی طرف جن کی تمدنی ترقی کے آثار آج بھی کھنڈرات کی شکل میں موجود ہیں۔

۳۵۔ جب یہ حقیقت مشاہدہ میں آچکی کہ اللہ اس دنیا میں مجرم قوموں کو ان کے جرم کی سزا دیتا ہے، تو آخرت کے بارے میں اس خوش فہمی میں رہنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ وہاں بس بخشش ہی بخشش ہوگی۔ اور آدمی کیسا ہی سنگین جرم کر چکا ہو اس کی سزا اس کو ملنے والی نہیں۔

۳۶۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ مؤمنون نوٹ ۴۴۔

۳۷۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ قصص نوٹ ۱۱۔

۳۸۔ تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ قصص نوٹ ۱۴۳۔

۳۹۔ بنی اسرائیل کی تعداد گھٹانے کے لئے بچوں کی پیدائش پر لڑکوں کو قتل کرنے کا حکم فرعون پہلے بھی جاری کر چکا تھا اور حضرت موسیٰ کی ولادت ایسے ہی حالات میں ہوئی تھی، لیکن اب جب حضرت موسیٰ کی دعوت سے فرعون کو خطرہ محسوس ہوا تو اس نے بنی اسرائیل کے نومولود لڑکوں کو قتل کرنے کا دوبارہ حکم دیا تاکہ یہ اقلیت دب کر رہ جائے اور ان کی تعداد بھی گھٹ جائے۔ یہ تھا فرعون کا سخت متعصّبانہ اور ظالمانہ اقدام۔

(مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۸۱۔)

۴۰۔ فرعون کی یہ چال کامیاب نہ ہوسکی۔ بنی اسرائیل کو اذیت ضرور پہنچی لیکن اہل ایمان ہونے اور رسول کی اتباع کرنے کی بنا پر اللہ کی تائید ان کو حاصل ہوئی اور تباہی سے فرعونیوں ہی کو دوچار ہونا پڑا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ذَرُوْنِيْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰى
وَلْيَدْعُ رَبَّهٗ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اَنْ يُّبَدِّلَ دِيْنَكُمْ اَوْ اَنْ
يُّظْهِرَ فِى الْاَرْضِ الْفَسَادَ ﴿٢٦﴾

۲۶ اور فرعون نے کہا مجھے چھوڑ دو کہ میں موسیٰ کو قتل کروں اور وہ اپنے رب کو پکارے ۴۱۔ مجھے اندیشہ ہے کہ وہ کہیں تمہارا دین نہ بدل ڈالے ۴۲۔ یا زمین میں فساد نہ برپا کرے۔ ۴۳۔

وَقَالَ مُوْسٰٓى اِنِّىْ عُذْتُ بِرَبِّىْ وَرَبِّكُمْ مِّنْ كُلِّ
مُتَكَبِّرٍ لَّا يُؤْمِنُ بِيَوْمِ الْحِسَابِ ﴿٢٧﴾

۲۷ موسیٰ نے کہا میں نے ہر متکبر (کے شر) سے جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لی۔ ۴۴۔

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗٓ
اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّىَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ
بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ ۚ
وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِىْ يَعِدُكُمْ ۭ
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ كَذَّابٌ ﴿٢٨﴾

۲۸ اور ایک مرد مؤمن جو آل فرعون میں سے تھا اور اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا ۴۵، بول اٹھا۔ کیا تم ایک شخص کو اس بنا پر قتل کرو گے کہ وہ کہتا ہے میرا رب اللہ ہے، حالانکہ وہ تمہارے رب کی طرف سے واضح نشانیاں لے کر آیا ہے۔ اگر وہ جھوٹا ہوا تو اس کے جھوٹ کا وبال اسی پر پڑے گا۔ اور اگر وہ سچا ہوا تو جس عذاب سے وہ تمہیں ڈرا رہا ہے وہ کسی نہ کسی حد تک ضرور تم کو پہنچ کر رہے گا ۴۶۔ اللہ اس شخص کو ہدایت نہیں دیتا جو حد سے گذرنے والا اور جھوٹا ہو۔ ۴۷۔

يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِى الْاَرْضِ ۡ فَمَنْ يَّنْصُرُنَا
مِنْۢ بَاْسِ اللّٰهِ اِنْ جَآءَنَا ۭ قَالَ فِرْعَوْنُ مَآ اُرِيْكُمْ
اِلَّا مَآ اَرٰى وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ ﴿٢٩﴾

۲۹ اے میری قوم کے لوگو! آج تمہیں حکومت حاصل ہے اور تم اس سرزمین میں غالب ہو۔ لیکن اگر اللہ کا عذاب ہم پر آ گیا تو کون ہے جو ہماری مدد کریگا؟ ۴۸۔ فرعون نے کہا میں تم کو وہی بات بتاتا ہوں جو میری رائے میں درست ہے اور تمہاری رہنمائی اسی راہ کی طرف کرتا ہوں جو بالکل صحیح ہے۔ ۴۹۔

وَقَالَ الَّذِيْٓ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ
يَوْمِ الْاَحْزَابِ ﴿٣٠﴾

۳۰ اور اس شخص نے جو ایمان لایا تھا کہا ۵۰۔ اے میری قوم کے لوگو! مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر کہیں وہ دن نہ آ جائے جو (گزری ہوئی قوموں) پر آیا تھا۔

مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِيْنَ
مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعِبَادِ ﴿٣١﴾

۳۱ ایسا انجام جو قوم نوح، عاد، ثمود اور ان کے بعد والی قوموں کا ہوا ۵۱۔ اور اللہ اپنے بندوں پر کوئی ظلم کرنا نہیں چاہتا۔

وَيٰقَوْمِ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ يَوْمَ التَّنَادِ ﴿٣٢﴾

۳۲ اے میری قوم کے لوگو! مجھے تمہارے بارے میں پکار کے دن کا ڈر ہے۔ ۵۲۔

يَوْمَ تُوَلُّوْنَ مُدْبِرِيْنَ ۚ مَا لَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ
اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿٣٣﴾

۳۳ جس دن تم پیٹھ پھیر کر بھاگو گے۔ اور تم کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا ۵۳۔ اور جس کو اللہ گمراہ کر دے اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں ہوسکتا۔

۴۱ ۔ فرعون نے یہ بات اپنے درباریوں سے کہی۔ اس نے حضرت موسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور ساتھ ہی ان پر یہ طنز بھی کیا کہ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے اپنے رب کو پکارے۔ اس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ اور ان کے رب کا مذاق اڑایا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ کتنے بڑے گھمنڈ اور تکبر میں مبتلا تھا۔

۴۲ ۔ دین بدلنے سے مراد عقیدہ و مذہب کی تبدیلی ہے۔ فرعون کی قوم ستارہ پرست تھی۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر ستاروں کو دیوی دیوتا بنا رکھا تھا اور وہ فرعون کی بھی پرستش کرتے تھے جو سورج دیوتا کا اوتار ہونے کا دعویدار تھا۔ حضرت موسیٰ کی دعوت توحید، آخرت اور رسالت پر ایمان لانے اور ایک اللہ کی عبادت کرنے اور اس کی اطاعت میں اپنے آپ کو دینے کی دعوت تھی۔ یہ اللہ کا دین تھا جس کو وہ پیش کر رہے تھے مگر فرعون اس کو کب گوارا کر سکتا تھا کہ اس کی قوم حضرت موسیٰ کے پیش کردہ دین ۔۔۔ اسلام ۔۔۔ کو قبول کر لے اس لئے اس نے اپنی قوم کو حضرت موسیٰ کے خلاف اُکسایا۔

جمہور مفسرین نے بھی دین کو بدلنے سے مذہب کو بدلنا ہی مراد لیا ہے نہ کہ ''سیاسی نظام'' کو بدلنا اور صاحبِ کشاف نے تو قرآن ہی سے یہ دلیل بھی پیش کی ہے کہ:

وہ فرعون کی اور اس کے بتوں کی پرستش کرتے تھے اور اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے وَیَذَرَکَ وَ اٰلِھَتَکَ (وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دیں)۔ (اعراف: ۱۲۷) (کشاف ج ۳ ص ۴۳۳)

اس لئے صاحب تفہیم القرآن کی یہ توجیہ کہ:

''یہاں دین سے مراد نظامِ حکومت ہے۔'' (تفہیم القرآن ج ۴ ص ۴۰۵)

سراسر تکلف ہے۔ (مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۸۰)

۴۳ ۔ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سراسر اصلاح کی دعوت تھی مگر فرعون نے ان پر یہ جھوٹا الزام لگایا کہ وہ ملک میں فساد برپا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سمجھتا تھا کہ حضرت موسیٰ کی دعوت اس کی قوم کے درمیان تفرقہ ڈالنے کا باعث ہوگی۔ اگر ایک گروہ حضرت موسیٰ کے دین کو قبول کر لیتا ہے اور دوسرا گروہ اپنے مذہب پر قائم رہتا ہے تو دونوں میں فرقہ وارانہ جذبات پیدا ہوں گے۔ جس کا نتیجہ بدامنی اور خون خرابے کی شکل میں نکلے گا۔

آج کے دور میں بھی خدا بیزار حکومتوں کے سوچنے کا انداز یہی ہے۔ وہ کسی ابھرتی ہوئی اسلامی دعوت کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتیں۔ وہ اس میں فرقہ واریت کی بُو محسوس کرتی ہیں اور اسے امن عامہ کے لئے خطرہ قرار دیتی ہیں۔ حالانکہ یہ خطرہ اگر صحیح بھی ہو تو اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر عائد ہوتی ہے جو دعوتِ اسلامی کے مقابلہ میں شر پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر ان حکومتوں کی اس منطق کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو دنیا میں کبھی اصلاح کا کوئی کام انجام نہیں پا سکتا۔ پھر کیا لوگوں کو چھوڑ دیا جائے کہ وہ جہنم میں جا گریں اور ان کو اس سے بچانے کی کوشش نہ کی جائے؟

۴۴ ۔ حضرت موسیٰ نے ان مفسدین کے شر سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ طلب کی اور اپنے آپ کو اس کے حوالہ کر دیا۔ یہ ہے توکل کی اعلیٰ مثال۔

۴۵ ۔ فرعون کے خاندان میں ایک فرد ایسا نکلا جو حضرت موسیٰ کی دعوت سے متاثر ہو کر ان پر ایمان لے آیا۔ وہ بھی اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا، لیکن جب حضرت موسیٰ کے قتل کی باتیں ہونے لگیں تو اس کی غیرت ایمانی جوش میں آئی اور اس نے بھرے دربار میں حضرت موسیٰ کی حمایت کی۔ اور نہ صرف حمایت کی بلکہ کھل کر دعوتِ حق بھی پیش کر دی اور اپنی بات کو پیش کرنے کا ایسا انداز اختیار کیا کہ فرعون اور اس کے درباریوں پر اس کی معقولیت ظاہر ہو جائے۔

واضح رہے کہ اسلام ایمان کو چھپانے کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کا پہلا رکن ہی کلمۂ شہادت ادا کرنا ہے اور اس کا تقاضا ہے کہ قبول اسلام کا اعلان و

اظہار ہو اور وہ مسلم سوسائٹی کا فرد قرار پائے۔البتہ اگر جان کا خطرہ لاحق ہو تو اسلام میں اس بات کی رخصت ہے کہ آدمی وقتی طور پر اپنے ایمان کو چھپائے۔

۴۶۔ مردِ مؤمن کے کہنے کا منشاء فرعون کو اقدام قتل سے روکنا تھا۔اس سلسلے میں اس نے ایک ایسی بات کہی جو آسانی سے ان لوگوں کی سمجھ میں آسکتی تھی،اور وہ یہ کہ حضرت موسیٰ کا اپنے دعوئے رسالت میں جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہے جو تم انہیں سزا دو۔اور محض شک کی بنا پر اتنا بڑا اقدام کرنا صحیح نہیں۔اگر بالفرض وہ جھوٹے ہیں تو ان کے جھوٹ کا وبال لازماً ان پر پڑے گا لیکن اگر وہ سچے ہیں تو سوچو پھر تمہارے ان کو قتل کرنے کا نتیجہ کیا نکلے گا۔تم اللہ کے غضب کو دعوت دو گے اور جس عذاب کی وعید حضرت موسیٰ تمہیں سنا رہے ہیں اس کا ایک حصہ تمہیں اس دنیا ہی میں ملے گا۔

۴۷۔ یہ اشارہ حضرت موسیٰ کو جھٹلانے والوں کی طرف تھا۔کہ جو لوگ فطری اور اخلاقی حدود کو توڑنے میں بے باک ہوتے ہیں اور ایک رسول کے ذریعے اللہ کی نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی شبہات میں پڑتے ہیں وہ اللہ کی توفیق اور اس کی ہدایت سے محروم رہتے ہیں۔

۴۸۔ یعنی حکومت اور اقتدار کے گھمنڈ میں نہ رہو۔اللہ کا عذاب تم پر نازل ہو سکتا ہے جس کے آگے تم بالکل بے بس ہو کر رہ جاؤ گے۔

۴۹۔ فرعون نے اس مردِ مؤمن کی تقریر میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ میری یہ رائے کہ موسیٰ کو قتل کرنا ضروری ہے،ایک سوچی سمجھی رائے ہے اور مجھ پر اعتماد کرو کہ میں تمہاری صحیح رہنمائی کر رہا ہوں۔یہ مداخلت فرعون نے اس لئے کی کہ اسے اندیشہ محسوس ہوا کہ اس شخص کی تقریر جو حضرت موسیٰ کا عقیدت مند ہو گیا ہے درباروالوں کو متاثر نہ کردے۔

۵۰۔ فرعون کی مداخلت کے بعد اس مردِ مؤمن نے اپنی تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا۔

۵۱۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ قوم نوح،عاد،ثمود نیز قوم لوط اور قوم شعیب پر ان کے کفر کی وجہ سے جو عذاب آیا اس کو اس وقت کے لوگ مشہور تاریخی واقعات کی حیثیت سے جانتے تھے۔

۵۲۔ پکار کے دن سے مراد قیامت کا دن ہے جب ایک پکار پر سب لوگ قبروں سے نکل پڑیں گے۔سورۂ ق میں ارشاد ہوا ہے:

وَ اسۡتَمِعۡ یَوۡمَ یُنَادِ الۡمُنَادِ مِنۡ مَّکَانٍ قَرِیۡبٍ یَوۡمَ یَسۡمَعُوۡنَ الصَّیۡحَۃَ بِالۡحَقِّ ؕ ذٰلِکَ یَوۡمُ الۡخُرُوۡجِ ۔(ق:۴۱،۴۲)

''اور سن لو جس دن پکارنے والا قریبی جگہ سے پکارے گا۔جس دن لوگ ہولناک آواز سنیں گے حق کے ساتھ۔وہ (قبروں سے) نکلنے کا دن ہوگا۔''

(تَنَادِ باب تفاعل سے ہے۔اور یہ نداء سے اسی طرح مبالغہ کا صیغہ ہے جس طرح تعالیٰ۔اس لئے یوم التناد کے معنی ہیں وہ دن جب تمام لوگوں کو پکارا جائے گا کہ اٹھو اور جوابدہی کے لئے اللہ کے حضور حاضر ہو جاؤ)

۵۳۔ قیامت کا ہولناک منظر دیکھ کر مجرمین اِدھر اُدھر بھاگنے کی کوشش کریں گے مگر فرشتے ان کو پکڑ لیں گے اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔

جو بُرائی کرے گا وہ اسی کے بقدر بدلہ پائے گا۔اور
جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ
مؤمن ہو،تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے
جہاں وہ بے حساب رزق پائیں گے۔(القرآن)

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ
فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ ؕ حَتّٰۤى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ
مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا ؕ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ هُوَ
مُسْرِفٌ مُّرْتَابُ ۚۖ ﴿٣٤﴾

۳۴ اس سے پہلے یوسف واضح نشانیوں کے ساتھ آئے تھے لیکن تم ان کی لائی ہوئی تعلیمات کے بارے میں شک ہی میں رہے۔ یہاں تک کہ جب ان کا انتقال ہو گیا تو تم کہنے لگے اب ان کے بعد اللہ کوئی رسول ہرگز نہیں بھیجے گا ۵۴۔ اس طرح اللہ ان لوگوں کو گمراہ کر دیتا ہے جو حد سے گزرنے والے اور شک میں پڑنے والے ہوتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ بِغَيْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰىهُمْ ؕ كَبُرَ مَقْتًا
عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
قَلْبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ ﴿٣٥﴾

۳۵ جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں بغیر کسی دلیل کے جو ان کے پاس آئی ہو ۵۵۔ یہ بات اللہ اور اہل ایمان کے نزدیک سخت مبغوض ہے ۵۶۔ اسی طرح اللہ ہر متکبر و جبار کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ ۵۷

وَقَالَ فِرْعَوْنُ يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۙ ﴿٣٦﴾

۳۶ فرعون نے کہا اے ہامان! میرے لئے ایک بلند عمارت بنا تاکہ میں ان راہوں پر پہنچ جاؤں۔

اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰۤى اِلٰهِ مُوْسٰى وَاِنِّيْ لَاَظُنُّهٗ كَاذِبًا ؕ
وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا
كَيْدُ فِرْعَوْنَ اِلَّا فِيْ تَبَابٍ ۧ ﴿٣٧﴾

۳۷ جو آسمان کی راہیں ہیں۔ اور موسیٰ کے رب کو جھانک کر دیکھوں ۵۸۔ میں تو سمجھتا ہوں یہ بالکل جھوٹا ہے۔ اس طرح فرعون کی نگاہ میں اس کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا گیا اور اسے راہ راست سے روک دیا گیا ۵۹۔ اور فرعون کی چال تباہی میں پڑ گئی۔ ۶۰

وَقَالَ الَّذِيْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۚ ﴿٣٨﴾

۳۸ اور اس شخص نے جو ایمان لایا تھا کہا اے میری قوم کے لوگو! ۶۱ میری بات مانو میں تمہیں ہدایت کی راہ بتا رہا ہوں۔

يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ؗ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ
الْقَرَارِ ﴿٣٩﴾

۳۹ اے میری قوم کے لوگو! یہ دنیا کی زندگی تو بس تھوڑے فائدے کا سامان ہے۔ اور آخرت ہی مستقل گھر ہے۔

مَنْ عَمِلَ سَيِّئَةً فَلَا يُجْزٰۤى اِلَّا مِثْلَهَا ۚ وَمَنْ عَمِلَ
صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ
يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ يُرْزَقُوْنَ فِيْهَا بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٤٠﴾

۴۰ جو بُرائی کرے گا وہ اسی کے بقدر بدلہ پائے گا۔ اور جو نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے جہاں وہ بے حساب رزق پائیں گے۔

وَيٰقَوْمِ مَا لِيْۤ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْۤ اِلَى النَّارِ ؕ ﴿٤١﴾

۴۱ اے میری قوم کے لوگو! یہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں نجات کی طرف بلاتا ہوں اور تم مجھے آگ کی طرف بلاتے ہو۔ ۶۲

تَدْعُوْنَنِيْ لِاَكْفُرَ بِاللّٰهِ وَاُشْرِكَ بِهٖ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؗ
وَّاَنَا اَدْعُوْكُمْ اِلَى الْعَزِيْزِ الْغَفَّارِ ﴿٤٢﴾

۴۲ تم مجھے دعوت دیتے ہو کہ میں اللہ سے کفر کروں اور اس کے شریک ٹھہراؤں جن کو میں نہیں جانتا (کہ وہ اللہ کے شریک ہیں ۶۳)۔ اور میں تمہیں اس ہستی کی طرف دعوت دے رہا ہوں جو سب پر غالب اور مغفرت فرمانے والی ہے۔ ۶۴

۵۴۔ یعنی حضرت یوسف کی سیرت، تعلیم اور خواب کی تعبیر میں رسالت کی واضح نشانیاں موجود تھیں۔ مگر تم لوگ (مراد فرعون اور ان کی قوم) ان کی رسالت کے بارے میں شک ہی میں پڑے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو تمہیں یہ احساس ہوا کہ ہم نے ان کی قدر نہیں کی۔ اور جب ہم نے ایسی بزرگ شخصیت کی قدر نہیں کی تو اب اللہ کوئی رسول نہیں بھیجے گا۔ مگر اللہ نے موسیٰ کو بھیج کر تمہیں سنبھلنے کا دوسرا موقع دیا ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ ان کی قدر کرو مگر تم ہو کہ اللہ کے رسول کو قتل کرنے کی سوچ رہے ہو!

۵۵۔ یعنی کوئی ایسی دلیل جو وحی کے ذریعہ ان تک پہنچی ہو۔ مراد کسی نبی کی تعلیم یا کسی آسمانی کتاب کی حجت ہے۔ ایسی کوئی حجت ان لوگوں کے پاس موجود نہیں ہے جس کو یہ قرآن کی آیات کی تردید میں پیش کر سکیں۔ وہ محض وہم و گمان کی بنا پر بحثیں کھڑی کر رہے ہیں۔

۵۶۔ یعنی یہ جدال اور اس طرح کج بحثی کرنے والے اللہ کی نظر میں تو مبغوض ہیں ہی اہل ایمان بھی ان سے سخت نفرت کرتے ہیں۔

یہ ہے اہل ایمان کا قابل تعریف وصف، لیکن موجودہ دور میں ایسے "مسلمانوں" کی کمی نہیں جو قرآن کی تعلیمات پر خود ہی معترض ہوتے ہیں اور الٹی سیدھی بحثیں کھڑی کر دیتے ہیں۔

۵۷۔ متکبر یعنی اللہ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والا اور جبار کا مطلب زبردست، وہ جو بندگان خدا کو اپنی مرضی پر چلانے کے لئے جبر کرے۔ ایسے لوگ قبولِ حق کی فطری صلاحیت کھو چکے ہوتے ہیں اس لئے حق کتنا ہی روشن ہو کر ان کے سامنے آجائے ان کے دل میں نہیں اترتا۔ یہ سب کچھ اس قاعدہ کے مطابق ہوتا ہے جو اللہ نے گمراہی کے لئے مقرر کر رکھا ہے اور اسی کو دل پر مہر لگانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۵۸۔ اس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ کی باتوں کا مذاق اڑایا اور ان کے رب کی شان میں گستاخی کی جس سے اس کا تکبر پوری طرح ظاہر ہو گیا۔

یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ فرعون نے ہامان کو عمارت تعمیر کرنے کا واقعی حکم دیا تھا تاکہ وہ اس پر چڑھ کر موسیٰ کے رب کو جھانک کر دیکھ لے۔ اس مقصد کے لئے پہاڑوں کی کیا کمی تھی جو عمارت تعمیر کرنے کا وہ حکم دیتا۔ فرعون کے تو ایک ایک لفظ سے طنز ہی کا اظہار ہو رہا ہے۔

۵۹۔ یعنی اس کا بُرا عمل غلط توجیہات کی وجہ سے اس کی نظر میں اچھا عمل بن گیا۔ انسانی فطرت بُرا عمل کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتی۔ لیکن جب آدمی کسی بات کی غلط توجیہ کر کے برائی کے لئے وجہ جواز پیدا کر دیتا ہے تو پھر بُرا عمل اس کی نظر میں اچھا عمل بن جاتا ہے۔ اور وہ شیطان کے فریب میں آجاتا ہے۔ پھر شیطان ایسی نظری رکاوٹیں کھڑی کر دیتا ہے کہ اس کا راہِ راست پر آنا ممکن نہیں رہتا۔

۶۰۔ مراد فرعون کے وہ ہتھکنڈے ہیں جن کو وہ حضرت موسیٰ کے خلاف استعمال کرتا رہا۔ لیکن اس کی کوئی تدبیر بھی کامیاب نہ ہو سکی بلکہ الٹی اس کی تباہی کا موجب بنی۔

۶۱۔ مردِ مؤمن نے فرعون کے دربار میں اظہار حق کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اپنی قوم کے پاس آکر لوگوں کے سامنے دعوتِ حق پیش کی۔

۶۲۔ مردِ مؤمن کی یہ دعوت کتنی سادہ اور دل میں اتر جانے والی تھی۔ اس نے اپنی درد بھری آواز میں قوم کے سامنے آخرت کو پیش کیا کہ ہر شخص کو سب سے پہلے اپنی نجاتِ اخروی کی فکر کرنی چاہئے۔

۶۳۔ یعنی جب میرے علم میں یہ بات نہیں ہے کہ اللہ کا کوئی شریک ہے تو کیا محض تمہارے کہنے پر اسے بلا دلیل مان لوں؟

مرد مؤمن کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ قوم فرعون شرک میں مبتلا تھی اور دیوی دیوتاؤں کی پرستار تھی۔

۶۴۔ یعنی میں اس خدا پر تمہیں ایمان لانے کی دعوت دے رہا ہوں جو بڑی عظمت والا ہے اور سب کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنے بندوں پر ایسا مہربان ہے کہ اگر وہ غلط طرز عمل سے باز آجائیں تو وہ ان کی توبہ قبول کرتا ہے اور انہیں معاف کر دیتا ہے۔

لَا جَرَمَ أَنَّمَا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ فِي الدُّنْيَا
وَلَا فِي الْآخِرَةِ وَأَنَّ مَرَدَّنَا إِلَى اللَّهِ
وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ ﴿٤٣﴾

۴۳ یہ اٹل حقیقت ہے کہ جن (معبودوں) کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو، وہ نہ دنیا میں اس بات کے مستحق ہیں کہ انہیں پکارا جائے اور نہ آخرت میں ۶۵۔ ہم سب کی واپسی اللہ ہی کی طرف ہے اور جو حد سے گزرنے والے ہیں ۶۶، وہ جہنم میں جانے والے ہیں۔

فَسَتَذْكُرُونَ مَا أَقُولُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِي إِلَى اللَّهِ إِنَّ
اللَّهَ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٤٤﴾

۴۴ تو عنقریب تم یاد کرو گے ان باتوں کو جو میں تم سے کہہ رہا ہوں ۶۷۔ میں اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کرتا ہوں ۶۸، وہ اپنے بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

فَوَقَاهُ اللَّهُ سَيِّئَاتِ مَا مَكَرُوا وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ
سُوءُ الْعَذَابِ ﴿٤٥﴾

۴۵ تو اللہ نے اس کو ان کی بُری چالوں سے بچا لیا ۶۹۔ اور فرعون والوں کو بُرے عذاب نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ ۷۰

النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا وَيَوْمَ تَقُومُ
السَّاعَةُ أَدْخِلُوا آلَ فِرْعَوْنَ أَشَدَّ الْعَذَابِ ﴿٤٦﴾

۴۶ وہ آگ ہے جس پر وہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں۔ اور جس دن قیامت قائم ہوگی، حکم ہوگا کہ فرعون والوں کو شدید تر عذاب میں داخل کرو۔ ۷۱

وَإِذْ يَتَحَاجُّونَ فِي النَّارِ فَيَقُولُ الضُّعَفَاءُ لِلَّذِينَ
اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ أَنْتُمْ مُغْنُونَ
عَنَّا نَصِيبًا مِنَ النَّارِ ﴿٤٧﴾

۴۷ اور جب وہ جہنم میں ایک دوسرے سے جھگڑ رہے ہوں گے، تو جو لوگ کمزور تھے وہ ان لوگوں سے جو بڑے بن کر رہے تھے کہیں گے۔ ہم تمہارے تابع تھے تو کیا تم جہنم کے عذاب کا ایک حصہ ہم سے دور کرو گے؟

قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا كُلٌّ فِيهَا إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ
بَيْنَ الْعِبَادِ ﴿٤٨﴾

۴۸ جو بڑے بن کر رہے تھے کہیں گے ہم سب ہی اس میں ہیں۔ اور اللہ اپنے بندوں کے درمیان فیصلہ کر چکا ہے۔ ۷۲

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ
يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ﴿٤٩﴾

۴۹ اور آگ میں پڑے ہوئے لوگ جہنم کی نگرانی کرنے والوں سے کہیں گے۔ اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے عذاب میں ایک دن کی تخفیف کر دے۔

قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ
قَالُوا بَلَى قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ
إِلَّا فِي ضَلَالٍ ﴿٥٠﴾

۵۰ وہ کہیں گے کیا تمہارے پاس تمہارے رسول واضح دلیلیں لے کر نہیں آتے رہے؟ وہ جواب دیں گے۔ ضرور آتے رہے۔ وہ کہیں گے تو اب تم ہی دعا کرو ۷۳۔ اور کافروں کی دعا بالکل اکارت جائے گی۔ ۷۴

۶۵۔ یعنی تمہارے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو حاجت روائی اور فریادرسی کے لئے پکارنا ایک بے معنی بات ہے۔ کیوں کہ یہ نہ تمہاری پکار سنتے ہیں اور نہ تمہاری حاجت پوری کر سکتے ہیں۔ اور نہ ہی آخرت میں تمہارے لئے سفارش کر سکیں گے۔

۶۶۔ اس کی تشریح نوٹ ۷۴ میں گزر چکی۔

۶۷۔ یعنی قیامت کے دن تم پچھتاؤ گے کہ ہم نے اس شخص کی بات کیوں نہیں مانی جو ہمیں اللہ پر ایمان لانے اور آخرت کے عذاب سے بچنے کی دعوت دے رہا تھا۔

جو لوگ بھی داعیان حق کی نصیحت پر دھیان نہیں دیتے وہ قیامت کے دن یاد کریں گے کہ فلاں شخص ہمیں نصیحت کر رہا تھا لیکن افسوس کہ ہم نے اس کی نصیحت قبول نہیں کی۔

۶۸۔ یعنی اگر فرعون مجھے حق گوئی کی سزا دینا چاہتا ہے یا قوم مجھے کوئی تکلیف پہنچانا چاہتی ہے تو مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں نے اللہ پر توکل کیا۔ وہ مجھے کامیابی کی منزل پر پہنچائے گا۔

۶۹۔ یعنی یہ ظالم اس مردِ مؤمن کا کچھ بگاڑ نہ سکے۔ اس نے اپنے کو اللہ کے حوالہ کیا تھا اللہ نے ان کے شر سے اسے محفوظ رکھا۔

عام طور سے دعوتِ حق پیش کرنے میں اندیشے محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن اگر داعی خطرات کی پرواہ نہیں کرتا اور اللہ پر توکل کر کے دعوتِ حق پیش کرتا ہے تو یہ اندیشے غلط ثابت ہوتے ہیں اور تکلیف اسی صورت میں پہنچتی ہے جب کہ اللہ نے لکھ دی ہو۔

۷۰۔ یعنی جب ظہور نتائج کا وقت آیا تو عذاب الٰہی کی لپیٹ میں فرعون اور اسکے اشاروں پر چلنے والے لوگ ہی آ گئے۔ اہل ایمان اس سے بالکل محفوظ رہے۔

۷۱۔ اس آیت میں فرعون والوں کے لئے دو عذابوں کا ذکر ہوا ہے۔ ایک وہ جو انہیں صبح شام دیا جا رہا ہے اور دوسرا وہ جو قیامت کے دن دیا جائے گا۔ پہلا عذاب عالمِ برزخ میں ان کی روحوں کو دیا جا رہا ہے اور وہ آگ کا عذاب ہے۔ رہا دوسرا عذاب تو قیامت کے دن جب وہ زندہ کر دیئے جائیں گے تو روح اور جسم دونوں کو عذاب کا مزا چکھنا ہوگا۔ یہ عذاب عالمِ برزخ کے عذاب سے کہیں زیادہ شدید ہوگا۔

صبح وشام سے مراد عالمِ برزخ کے صبح وشام ہیں اور محاورہ میں صبح وشام کے الفاظ روزانہ اور دائمی کے معنی میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر سورۂ مریم آیت ۶۲ میں بیان ہوا ہے کہ اہل جنت کو ان کا رزق صبح وشام ملے گا۔ اور آل فرعون میں فرعون، اس کا ظالم خاندان جو حکمراں تھا، اس کا طاغوتی لشکر اور اس کے پیچھے چلنے والے سب شامل ہیں۔

اس آیت سے اور قرآن کی دوسری متعدد آیات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عالمِ برزخ میں کافروں کی روحوں کو عذاب دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر سورۂ انفال میں ہے:

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔ (انفال۔۵۰)

”اور اگر تم اس حالت کو دیکھ سکتے جب فرشتے کافروں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں۔ وہ ان کے چہروں اور ان کی پیٹھوں پر ضربیں لگاتے ہیں اور کہتے ہیں چکھو جلنے کے عذاب کا مزہ“۔ (انفال:۵۰)

جب کہ مرنے والے کے جسم پر ہم عذاب کے کوئی آثار نہیں دیکھتے۔ اسی کو حدیث میں عذابِ قبر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مگر لفظی بحث میں پڑ کر لوگ عذابِ قبر کا انکار کرتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن سے ثابت نہیں ہے۔ حالانکہ قرآن سے عالم برزخ کا عذاب ثابت ہے اور حدیث میں اس کو قبر کے

عذاب سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ قبر کو دیکھ کر انسان کا ذہن بہ آسانی عالمِ برزخ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور نفسیاتی اعتبار سے قبر عبرت پذیری کی جگہ ہے۔

عذاب قبر کا یہ مطلب نہیں کہ قبر میں جو جسم دفن کیا گیا ہے اس پر عذاب ہو رہا ہے کیوں کہ جسم تو سڑ گل کر ختم ہو جاتا ہے۔ پھر جو لوگ سمندر میں غرق ہو جاتے ہیں ان کو مچھلیاں کھا لیتی ہیں اور ان کی قبر نہیں بنتی۔ فرعون کا لشکر بھی سمندر میں غرق ہوا تھا اور ان لوگوں کی بھی قبر نہیں بنی لیکن قرآن کہتا ہے کہ صبح وشام ان پر عذاب ہو رہا ہے۔ اسی طرح جن مُردوں کو جلا یا جاتا ہے انکی بھی قبریں نہیں بنتی تو کیا وہ عذاب قبر سے آزاد ہو گئے؟ ان سب باتوں کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ عذاب روحوں پر ہوتا ہے نہ کہ مردہ جسم پر اور یہ عالم برزخ میں ہوتا ہے خواہ کسی کی قبر بنی ہو یا نہ بنی ہو۔

حدیث میں آتا ہے:

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ اِذَا مَاتَ الرَّجُلُ عُرِضَ عَلَیْهِ مَقْعَدُهُ بِالْغَدَاةِ وَ الْعَشِیِّ اِنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَالْجَنَّةُ وَ اِنْ کَانَ مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَالنَّارُ۔ قَالَ ثُمَّ یُقَالُ هٰذَا مَقْعَدُکَ الَّذِیْ تُبْعَثُ اِلَیْهِ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔ (مسلم کتاب التوبہ، بخاری کتاب الزہد)

''حضرت ابن عمر کا بیان ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: آدمی جب مر جاتا ہے تو اس کو صبح وشام اس کا ٹھکانہ دکھایا جاتا ہے اگر وہ جنتی ہے تو جنت کی جھلک دکھائی جاتی ہے اور اگر جہنمی ہے تو جہنم کی جھلک، پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ قیامت کے دن یہی تیرا ٹھکانہ ہوگا۔''

اور متعدد احادیث میں نبی ﷺ کی یہ دعا منقول ہوئی ہے:

وَ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ۔ ''اور میں عذاب قبر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (بخاری کتاب الدعوات)

علامہ ابن کثیر مذکورہ آیتوں کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''ان کی روحیں صبح وشام آگ پر پیش کی جاتی ہیں اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ پھر جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی روحیں ان کے جسم کے ساتھ آگ میں داخل ہوں گی۔ اسی لئے فرمایا یَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ یعنی ایسا عذاب جو دردناک ہونے کے لحاظ سے شدید تر اور سزا کے اعتبار سے بڑھ کر ہو۔ اور یہ آیت بہت بڑی بنیاد ہے اس استدلال کی جو اہل سنت قبر میں عذابِ برزخ کے بارے میں کرتے ہیں۔'' (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۸۱)

یہ سمجھنا بھی صحیح نہیں کہ آیت میں آگ کے سامنے آلِ فرعون کو پیش کرنے کا جو ذکر ہوا ہے تو اس کا لازمی مطلب عذاب نہیں ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہو تو پھر صبح وشام آگ پر پیش کرنے کا کیا مطلب ہوگا؟ اگر بالفرض آگ کے سامنے انہیں صرف پیش کیا جا رہا ہو اور آگ میں انہیں ڈالا نہ گیا ہو تب بھی آگ کی تکلیف تو ان کو پہنچنے ہی والی ہے، اور یہ بھی عذاب ہی کی ایک صورت ہوئی۔ حالانکہ عربی محاورہ کے اعتبار سے آگ کے سامنے پیش کرنے کا مطلب آگ میں جلانا ہی ہے، چنانچہ صاحبِ کشاف نے اس کا یہی مفہوم بیان کیا ہے:

وعرضهم عليها احراقهم بها۔ يقال عرض الامام الاسارئ على السيف اذا قتلهم۔ (تفسیر کشاف ج ۳ ص ۴۳۰)

''ان کو آگ پر پیش کرنے کا مطلب آگ سے ان کو جلانا ہے کہا جاتا ہے امام نے قیدیوں کو تلوار پر پیش کیا جب کہ اس نے ان کو قتل کر دیا ہو۔''

رہا یہ سوال کہ حساب سے پہلے عذاب کیسا تو اس کا جواب سورۂ زمر نوٹ ۶۰ میں گزر چکا۔ اس موقع پر یہ نوٹ بھی پیش نظر رہے۔

۷۷۔ بڑے بننے والوں سے مراد وہ مذہبی پیشوا اور لیڈر ہیں جو خود گمراہ تھے اور عقائد و اعمال میں لوگوں کی غلط رہنمائی کرتے رہے۔ اور کمزور لوگوں سے مراد ان کے دباؤ میں آ کر اور ان کے زیر اثر ان کے پیچھے چلنے والے لوگ ہیں۔ یہ لوگ اپنے پیشواؤں اور لیڈروں سے جہنم میں جھگڑیں گے کہ

تمہارے پیچھے چل کر ہم جہنم میں پہنچ گئے۔اب تم ہمارے عذاب کا کم از کم ایک حصہ ہی دور کر دو۔وہ جواب دیں گے کہ ہم خود جہنم میں سزا بھگت رہے ہیں تمہاری سزا کو ہم کیا دور کر سکتے ہیں اور اللہ ہمارے لئے دائمی سزا کا فیصلہ کر چکا ہے۔اس طرح وہ اپنی بے بسی کا اظہار کریں گے۔قرآن ان کی اس بے بسی کو دنیا ہی میں لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہے۔تا کہ ہر شخص اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور گمراہ پیشواؤں اور لیڈروں کی تقلید نہ کرے۔

۷۳۔ جہنم میں مسلسل کافروں کو عذاب بھگتنا ہوگا۔کوئی وقفہ نہ ہوگا جس میں وہ اطمینان کا سانس لے سکیں۔اس لئے وہ جہنم کے نگراں فرشتوں سے کہیں گے کہ وہ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ کم از کم ایک دن کیلئے ان کے عذاب میں کمی کر دے۔مگر فرشتوں کی طرف سے ان کو مایوس کن جواب ملے گا۔وہ یہ کہہ کر سفارش کرنے سے معذرت کریں گے کہ رسولوں نے تمہارے سامنے حجت پیش کر دی تھی مگر تم کافر بنے رہے اور کافروں کے لئے کوئی سفارش نہیں کی جا سکتی لہٰذا اب تم ہی دعا کرو۔

۷۴۔ یعنی یہ کافر جو دعا بھی کریں گے اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوگی۔

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا
وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾

۵۱ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان لانے والوں کی دنیا کی زندگی میں بھی مدد کرتے ہیں ۷۵؎۔ اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ ۷۶؎

يَوْمَ لَا يَنفَعُ الظَّالِمِينَ مَعْذِرَتُهُمْ وَلَهُمُ اللَّعْنَةُ
وَلَهُمْ سُوءُ الدَّارِ ﴿٥٢﴾

۵۲ جس دن ظالموں کیلئے ان کی معذرت بے سود ہوگی ۷۷؎، ان پر لعنت ہوگی اور ان کے لئے بُرا ٹھکانا ہوگا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْهُدَىٰ وَأَوْرَثْنَا بَنِي
إِسْرَائِيلَ الْكِتَابَ ﴿٥٣﴾

۵۳ ہم نے موسیٰ کو ہدایت عطا فرمائی اور بنی اسرائیل کو کتاب کا وارث بنایا۔ ۷۸؎

هُدًى وَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿٥٤﴾

۵۴ جو رہنمائی اور یاددہانی تھی دانشمندوں کے لئے۔

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ وَاسْتَغْفِرْ لِذَنبِكَ وَسَبِّحْ
بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿٥٥﴾

۵۵ تو صبر کرو۔ اللہ کا وعدہ برحق ہے۔ اور اپنے قصوروں کے لئے استغفار کرو ۷۹؎۔ (معافی چاہو) اور صبح و شام تسبیح کرو اپنے رب کی حمد کے ساتھ۔

إِنَّ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيْرِ سُلْطَانٍ
أَتَاهُمْ ۙ إِن فِي صُدُورِهِمْ إِلَّا كِبْرٌ مَّا هُم بِبَالِغِيهِ ۚ
فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ ۖ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ ﴿٥٦﴾

۵۶ جو لوگ اللہ کی آیتوں میں کسی سند کے بغیر جو ان کے پاس آئی ہو بحثیں کھڑی کرتے ہیں، ان کے دلوں میں کِبر بھرا ہوا ہے۔ مگر وہ اس بڑائی کو پہنچنے والے نہیں ہیں ۸۰؎۔ تو تم اللہ کی پناہ مانگو ۸۱؎۔ یقیناً وہ سب کچھ دیکھنے اور سننے والا ہے۔

لَخَلْقُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ أَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ
وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٧﴾

۵۷ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا انسانوں کے پیدا کرنے سے زیادہ بڑا کام ہے۔ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ ۸۲؎

وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَالَّذِينَ
آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ
وَلَا الْمُسِيءُ ۚ قَلِيلًا مَّا تَتَذَكَّرُونَ ﴿٥٨﴾

۵۸ اندھا اور بینا یکساں نہیں ہو سکتے ۸۳؎۔ اور نہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کیا، بدعمل لوگوں کے برابر ہو سکتے ہیں۔ مگر تم لوگ کم ہی سمجھتے ہو۔

إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ
لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٥٩﴾

۵۹ قیامت کی گھڑی یقیناً آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ
يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ ﴿٦٠﴾

۶۰ تمہارا رب فرماتا ہے مجھے پکارو میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے ۸۴؎ سرکشی کرتے ہیں وہ ضرور ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔

۷۵۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ کافروں کے مقابلہ میں رسولوں اور اہل ایمان کی مدد کرتا رہا ہے جس کی واضح مثال حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور بنی اسرائیل کا فرعون کے شکنجہ سے سلامتی کے ساتھ نکل جانا اور بعافیت سمندر کو عبور کرنا ہے، جب کہ فرعون اپنے لشکر سمیت سمندر میں غرق ہو گیا۔ اللہ کی نصرت رسولوں اور ان کے ساتھی اہل ایمان کے حق میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتی رہی ہے۔ نوح، ہود، صالح علیہم السلام اور دیگر کتنے ہی رسولوں کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو اس عذاب سے بچا لیا گیا جو ان کی قوموں پر کفر کی پاداش میں آیا اور جس نے ان کو ہلاک کر کے رکھ دیا۔ اس کے بعد زمین میں اقتدار اہل ایمان ہی کو حاصل ہوا۔ اسی طرح اللہ کی نصرت تلوار کی شکل میں بھی ظاہر ہوئی ہے۔ چنانچہ حضرت داؤد نے جالوت کو قتل کر کے اس کی کافر قوم پر فتح حاصل کر لی، حضرت سلیمان کو کتنی ہی کافر قوموں پر غلبہ حاصل ہوا اور ان کو ایسی سلطنت عطا ہوئی جس کی کوئی نظیر نہیں۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والوں کے لئے نصرت الٰہی کی جو بشارت مضمر ہے، وہ چند سال بعد غزوۂ بدر کے موقع پر بالکل ظاہر ہوگئی اور پھر فتح مکہ نے اس کا مزید ثبوت بہم پہنچایا، یہاں تک کہ پورا عرب آپ کے زیر نگیں آ گیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معاملہ میں بھی کوئی غلط فہمی نہیں ہونی چاہئے۔ وہ اللہ کی نصرت ہی تھی جس نے ان کو دشمنوں کے نرغہ سے نکال کر صحیح سلامت آسمان پر اٹھایا اور دشمنوں کی سازشیں دھری کے دھری رہ گئیں۔ ان کے پیرووں کے لئے اگرچہ آزمائش کا سلسلہ طویل رہا لیکن ان کی دعوت پھیلتی چلی گئی۔ ان کے دشمن یہود کا زور اللہ تعالیٰ نے رومیوں کے ذریعہ توڑا اور بالآخر حضرت عیسیٰ کے پیرووں ہی کو غلبہ واقتدار حاصل ہوا۔

۷۶۔ یعنی قیامت کے دن جب کہ اللہ عدالت برپا کرے گا اور رسول اپنی کافر قوموں کے خلاف گواہی دینے کیلئے کھڑے ہوں گے۔ اس وقت اللہ کی نصرت بدرجۂ اتم رسولوں اور اہل ایمان کے حق میں ظاہر ہوگی، ان کا موقف ہی صحیح قرار پائے گا اور وہ اس عدالت سے کامیاب ہو کر نکلیں گے۔

۷۷۔ ظالموں سے مراد کافر ہیں، جو حق وعدل سے انحراف کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے رہے۔ ان کا کوئی عذر سنا نہیں جائے گا اس لئے کہ ان پر اللہ کی حجت قائم ہو چکی تھی۔

۷۸۔ یعنی تورات کا وارث بنایا۔

۷۹۔ رسول بھی اللہ کا بندہ ہوتا ہے اور ایک بندہ کے شایان شان یہی ہے کہ وہ اپنے کو کوتاہ کار سمجھے اور اپنے قصوروں کے لئے معافی کا خواستگار ہو۔ خواہ اس کے قصور اس کے علم میں ہوں یا نہ ہوں۔ اس سے عبدیت کا احساس ابھرتا ہے۔ اور بندہ اللہ کی رحمت کا اور زیادہ مستحق ہو جاتا ہے۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہوئی کہ آپ اپنے قصوروں کی اللہ سے معافی چاہیں اور آپ کے توسط سے یہی تعلیم اہل ایمان کو دی گئی۔

ایک نبی دانستہ کوئی گناہ نہیں کرتا۔ وہ تو لوگوں کیلئے اپنے عمل سے بہترین اسوہ قائم کرتا ہے اور امانت وصداقت اور تقویٰ اور سیرت کی پاکیزگی نبوت کی لازمی خصوصیات ہوتی ہیں جسے اصطلاحاً ''عصمتِ انبیاء'' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لیکن بعض مرتبہ فرائض نبوت کی ادائیگی میں معمولی فروگذاشتیں ان سے ہو جاتی ہیں جن پر وحی الٰہی گرفت کرتی ہے اور وہ فوراً متنبہ ہو جاتے ہیں۔ ایسی ہی چند فروگذاشتیں جو نبی ﷺ سے ہوئی تھیں ان پر قرآن میں گرفت کی گئی۔ ان کے علاوہ اگر آپ سے کوئی قصور سرزد ہوئے تھے تو وہ آپ کے اور آپ کے رب کے درمیان کا معاملہ ہے ہمیں نہ اس کا علم ہے اور نہ اس بحث میں پڑنے کا کوئی فائدہ۔

بعض مفسرین نے اپنے قصوروں کے لئے استغفار کرو، کی یہ تاویل کی ہے کہ یہ حکم دراصل آپ کے واسطہ سے آپ کی امت کو دیا گیا ہے۔ مگر یہ تاویل اس لئے صحیح نہیں کہ سورہ محمد میں صراحت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اور اہل ایمان کے قصوروں کے لئے استغفار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے:

وَ اسۡتَغۡفِرۡ لِذَنۡۢبِکَ وَ لِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَ الۡمُؤۡمِنٰتِ۔ (محمد:۱۹)

''اور اپنے قصوروں کے لئے اور مؤمن مردوں اور عورتوں کیلئے استغفار کرو۔''

۸۰۔ ہونا تو یہ چاہئے کہ انسان کے سامنے جب اس کے رب کا کوئی فرمان آجائے تو وہ سر تسلیم خم کرے لیکن جو لوگ اپنی بڑائی کے گھمنڈ میں مبتلا ہوتے ہیں وہ کج بحثی کرنے لگتے ہیں۔ مگر ان کو وہ بڑائی ہرگز حاصل ہونے والی نہیں جس کے خواب وہ دیکھ رہے ہیں، ان کو بہت جلد ذلت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۸۱۔ یعنی ایسے لوگوں کے شر سے تم اللہ کی پناہ مانگو۔

۸۲۔ یعنی جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اس کے لئے انسان کو دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے مگر اکثر لوگ اتنی واضح بات بھی نہیں سمجھتے۔

موجودہ زمانہ میں تو سائنس نے کائنات کے بارے میں حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں۔ ان انکشافات کے پیش نظر کائنات کی وسعت کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔ کیوں کہ ہم اپنی کہکشاں میں بے شمار ستاروں کو دیکھتے ہیں اور ایسی کئی کہکشائیں کتنے ہی نوری سال کی دوری پر واقع ہیں۔ تو جس ہستی نے اتنی وسیع کائنات پیدا کی اور اس کو ایک نہایت مضبوط نظام میں جکڑ دیا اس کی قدرت سے کوئی بات بھی بعید نہیں۔ وہ مردہ انسانوں کو بھی اٹھا کھڑا کر سکتا ہے اور اس کائنات کی تشکیل نو بھی کر سکتا ہے۔

۸۳۔ اندھا وہ جو حقیقت کو دیکھ نہیں پاتا اور بینا وہ جو حقیقت کو دیکھ رہا ہے۔ دونوں کا حال کیسے یکساں ہو سکتا ہے؟

۸۴۔ دعا کے معنی پکارنے کے ہیں اور درخواست کرنے کے بھی اور دونوں ہی یہاں مراد ہیں۔ پکارا بھی جائے اللہ ہی کو اور درخواست (دعا) بھی کی جائے اللہ ہی سے۔ کیونکہ پکار کو سننے والا بھی وہی ہے اور دعاؤں کو قبول کرنے والا بھی وہی۔

یہ آیت مزید صراحت کرتی ہے کہ یہ پکارنا اور دعائیں کرنا عبادت ہے۔ لہٰذا یہ باتیں اللہ کے ساتھ مخصوص ہونی چاہئیں۔ اور اگر کسی اور کو اس طرح پکارا گیا جس طرح اللہ کو پکارا جاتا ہے یا اس سے دعائیں مانگی گئیں تو یہ اس کی عبادت ہوگی اور اللہ کی عبادت سے صریح انحراف ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے دعا کو عبادت سے تعبیر فرمایا:

اَلدُّعَاءُ ھُوَ الْعِبَادَۃُ

''دعا عبادت ہی ہے''۔ (ترمذی کتاب التفسیر)

اس لئے زبان پر یا اللہ، یا رب، یا رحمٰن، یا رحیم جیسے کلمات ہونے چاہئے لیکن موجودہ دور کے مسلمانوں میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو یا علی، یا غوث (عبدالقادر جیلانی) اور یا خواجہ کی رٹ لگاتے ہیں اور شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔

مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ بقرہ نوٹ ۲۴۷، ۲۴۸۔

وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا، پھر
نطفہ سے، پھر جمے ہوئے خون سے، پھر وہ تمہیں بچہ کی
شکل میں باہر لاتا ہے، پھر وہ تمہیں پروان چڑھاتا ہے تا کہ تم
اپنے شباب کو پہنچو، پھر وہ تمہیں عمر دیتا ہے کہ تم بڑھاپے کو پہنچو۔ اور
تم میں سے بعض کو اس سے پہلے ہی وفات دی جاتی ہے۔ اور
یہ اس لئے ہوتا ہے کہ تم وقت مقرر کو پہنچ جاؤ۔ اور اس
لئے کہ تم سمجھو۔ (القرآن)

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ
مُبْصِرًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۶۱﴾

۶۱ وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تا کہ تم اس میں سکون حاصل کرو۔ اور دن کو روشن بنایا ۸۵ ۔ اللہ لوگوں پر بڑا مہربان ہے مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَىْءٍ ۘ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۫
فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۶۲﴾

۶۲ وہی اللہ تمہارا رب ہے ۸۶ ۔ ہر چیز کا خالق۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پھر تم کدھر بہکائے جاتے ہو۔ ۸۷ ۔

كَذٰلِكَ يُؤْفَكُ الَّذِيْنَ كَانُوْا بِاٰيٰتِ
اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۶۳﴾

۶۳ اسی طرح وہ لوگ بھی بہکائے جاتے رہے ہیں، جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے۔ ۸۸ ۔

اَللّٰهُ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً
وَّصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ
الطَّيِّبٰتِ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۖۚ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ
رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

۶۴ وہ اللہ ہی ہے جس نے زمین کو تمہارے لئے جائے قرار ۸۹ ۔ اور آسمانوں کو چھت بنایا ۹۰ ۔ اور تمہاری صورت گری کی تو اچھی صورتیں بنائیں ۹۱ ۔ اور تمہیں پاکیزہ چیزوں کا رزق دیا ۹۲ ۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ تو بڑا ابا برکت ہے اللہ رب العالمین۔

هُوَ الْحَىُّ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ
لَهُ الدِّيْنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۵﴾

۶۵ وہی زندہ ہے ۹۳ ۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہٰذا اسی کو پکارو بندگی کو اس کے لئے خالص کرتے ہوئے۔ حمد اللہ رب العٰلمین ہی کے لئے ہے۔

قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ
اللّٰهِ لَمَّا جَآءَنِىَ الْبَيِّنٰتُ مِنْ رَّبِّىْ ۫ وَاُمِرْتُ اَنْ
اُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۶﴾

۶۶ کہو مجھے اس بات سے منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں، جن کو تم اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہو۔ جب کہ میرے پاس میرے رب کی طرف سے واضح دلائل آ چکے ہیں۔ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اپنے آپ کو رب العالمین کے حوالہ کر دوں۔ ۹۴ ۔

هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ
ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُوْنُوْا شُيُوْخًا ۚ
وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى مِنْ قَبْلُ وَلِتَبْلُغُوْۤا اَجَلًا مُّسَمًّى وَّلَعَلَّكُمْ
تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾

۶۷ وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ۹۵ ، پھر نطفہ سے ۹۶ ، پھر جمے ہوئے خون سے ۹۷ ، پھر وہ تمہیں بچہ کی شکل میں باہر لاتا ہے ۹۸ ، پھر وہ تمہیں پروان چڑھاتا ہے تا کہ تم اپنے شباب کو پہنچو، پھر وہ تمہیں عمر دیتا ہے کہ تم بڑھاپے کو پہنچو ۹۹ ۔ اور تم میں سے بعض کو اس سے پہلے ہی وفات دی جاتی ہے ۱۰۰ ۔ اور یہ اس لئے ہوتا ہے کہ تم وقت مقرر کو پہنچ جاؤ ۱۰۱ ۔ اور اس لئے کہ تم سمجھو۔ ۱۰۲ ۔

۸۵۔ تاکہ دن کی روشنی میں معاشی دوڑ دھوپ کر سکو۔

۸۶۔ یعنی جس نے تمہاری پرورش کا یہ سامان کیا ہے وہی تمہارا مالک ہے۔

۸۷۔ یعنی جو خالق اور مالک ہے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے مگر تم شیطان کے بہکاوے میں آ کر اتنی واضح حقیقت سے بھی انحراف کرتے ہو۔

۸۸۔ مراد گزری ہوئی کافر قومیں ہیں۔

۸۹۔ یعنی زمین کو اس قابل بنایا کہ اس میں جنبش نہ ہو اور تم اس پر آسانی سے چل پھر سکو اور چین کے ساتھ رہو بسو۔

۹۰۔ آسمان کے سلسلہ میں دیکھئے سورۂ انشقاق نوٹ ا ۔

۹۱۔ یعنی دیگر جاندار مخلوق کے مقابلہ میں انسان کو بہترین صورت عطا کی۔

۹۲۔ جانوروں کو کیسی گھٹیا چیزیں کھانے کے لئے ملتی ہیں اور بعض جاندار تو گندگی ہی میں پلتے ہیں۔لیکن انسان کو کیسی صاف ستھری اور نفیس غذا ملتی ہے۔ یہ اللہ کا انسان پر کتنا بڑا احسان ہے۔

۹۳۔ یعنی وہی ایک ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔رہی اس کی مخلوق تو اس کو جو زندگی ملی ہے اسی کے عطا کرنے سے ملی ہے۔

۹۴۔ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی پورے شعور کے ساتھ یہ فیصلہ کرے کہ مجھے اللہ کے تابع فرمان بن کر رہنا اور اس کی مکمل اطاعت کرنا ہے۔ جو شخص سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کرتا ہے، وہ اللہ کی اور صرف اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ کیوں کہ جب اللہ نے کسی اور کی عبادت کرنے سے منع کر دیا ہے تو وہ اتنی بڑی معصیت کا کام کیسے کر سکتا ہے۔ اللہ کی اطاعت اور غیر اللہ کی عبادت دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتیں۔

۹۵۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ حج نوٹ ۷ ۔

۹۶۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ حج نوٹ ۸ ۔

۹۷۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ حج نوٹ ۹ ۔

۹۸۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ حج نوٹ ۱۳ ۔

۹۹۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ حج نوٹ ۱۴ ، ۱۶۔

۱۰۰۔ یعنی کسی کو جوانی سے پہلے اور کسی کو بڑھاپے سے پہلے۔

۱۰۱۔ یعنی جس کے لئے جو عمر مقدر ہے وہ اس کو پورا کر لے۔ بالفاظ دیگر آدمی مرتا اسی وقت ہے جب کہ وہ اس مدت کو پورا کر چکا ہو جو اللہ نے اس کے زندہ رہنے کے لئے مقرر کی تھی۔

۱۰۲۔ یعنی تمہیں تخلیق کے ان مرحلوں سے اور اس کے بعد طفولیت، جوانی اور بڑھاپے سے اس لئے گزارا جاتا ہے کہ تم عقل و شعور سے کام لو اور اپنے خالق اور رب کو پہچانو۔

هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۖ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ ﴿٦٨﴾

[٦٨] وہی زندگی بخشتا ہے اور وہی موت دیتا ہے۔ جب وہ کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس حکم دیتا ہے کہ ہوجا اور وہ ہوجاتی ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ أَنَّىٰ يُصْرَفُونَ ﴿٦٩﴾

[٦٩] تم نے ان لوگوں کو دیکھا جو اللہ کی آیتوں میں جھگڑتے ہیں ۱۰۳۔ انہیں کہاں پھیرا جارہا ہے؟ ۱۰۴۔

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِالْكِتَابِ وَبِمَا أَرْسَلْنَا بِهِ رُسُلَنَا ۖ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ﴿٧٠﴾

[٧٠] انہوں نے اس کتاب کو جھٹلایا اور ان چیزوں کو بھی جو ہم نے اپنے رسولوں کے ساتھ بھیجی تھیں ۱۰۵۔ عنقریب وہ جان لیں گے۔ ۱۰۶۔

إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ﴿٧١﴾

[٧١] جب طوق ۱۰۷۔ اُن کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں بھی۔ (جن سے) ان کو گھسیٹا جائے گا۔

فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ ﴿٧٢﴾

[٧٢] کھولتے ہوئے پانی میں، پھر آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

ثُمَّ قِيلَ لَهُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٧٣﴾

[٧٣] پھر ان سے پوچھا جائے گا کہاں ہیں وہ، جن کو تم شریک ٹھہراتے تھے۔

مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا بَل لَّمْ نَكُن نَّدْعُو مِن قَبْلُ شَيْئًا ۚ كَذَٰلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الْكَافِرِينَ ﴿٧٤﴾

[٧٤] اللہ کو چھوڑ کر۔ وہ کہیں گے کھوئے گئے وہ ہم سے بلکہ ہم اس سے پہلے کسی چیز کو بھی نہیں پکارتے تھے ۱۰۸۔ اس طرح اللہ کافروں پر راہ گم کر دے گا۔ ۱۰۹۔

ذَٰلِكُم بِمَا كُنتُمْ تَفْرَحُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنتُمْ تَمْرَحُونَ ﴿٧٥﴾

[٧٥] یہ اس لئے کہ تم زمین میں ناحق اتراتے اور اکڑتے رہے۔ ۱۱۰۔

ادْخُلُوا أَبْوَابَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ فَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِينَ ﴿٧٦﴾

[٧٦] داخل ہوجاؤ جہنم کے دروازوں میں، اس میں ہمیشہ رہنے کے لئے۔ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا!

فَاصْبِرْ إِنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ ۚ فَإِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَإِلَيْنَا يُرْجَعُونَ ﴿٧٧﴾

[٧٧] تو (اے نبی!) صبر کرو۔ اللہ کا وعدہ سچا ہے ۱۱۱۔ یا تو ہم تمہیں اس (عذاب) کا کچھ حصہ جس کا وعدہ ہم ان سے کر رہے ہیں دکھا دیں یا تمہیں وفات دیں۔ ان کی واپسی تو ہماری ہی طرف ہے۔ ۱۱۲۔

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ ۗ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَن يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۚ فَإِذَا جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ قُضِيَ بِالْحَقِّ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْمُبْطِلُونَ ﴿٧٨﴾

[٧٨] (اے نبی!) ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے تھے جن میں سے بعض کے حالات ہم تمہیں سنا چکے ہیں۔ اور بعض کے حالات نہیں سنائے ۱۱۳۔ کسی رسول کے بھی بس کی یہ بات نہ تھی کہ وہ اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نشانی (معجزہ) لے آتا ۱۱۴۔ جب اللہ کا حکم آجائے گا ۱۱۵ تو حق کے ساتھ فیصلہ کر دیا جائے گا اور اس وقت باطل پرست تباہی میں پڑیں گے۔

۱۰۳؂ یعنی اللہ کے کلام اور اس کے احکام کے بارے میں الٹی سیدھی بحثیں کرتے ہیں۔

۱۰۴؂ یعنی ان پر شیطان کا جادو چل گیا ہے۔ وہ انہیں حق سے پھیر کر اِدھر اُدھر بھٹکا رہا ہے۔

۱۰۵؂ یعنی ان تعلیمات کو جن کو لیکر رسول آئے تھے۔

۱۰۶؂ یعنی وہ وقت دور نہیں کہ جب ان کو معلوم ہو جائے گا کہ جس چیز کو انہوں نے جھٹلایا تھا وہ حق تھا۔

۱۰۷؂ مراد قیامت کا دن ہے۔

۱۰۸؂ یعنی ہم جن کا نام جپتے تھے اور جن کو اپنی حاجتیں پوری کرنے کیلئے پکارتے تھے ان کا کوئی خدائی وجود نہیں تھا۔ پھر وہ حواس باختہ ہو کر اس بات کی نفی کریں گے کہ ہم سرے سے ان کو پکارتے ہی نہیں تھے۔ اس طرح وہ اپنے معبودوں سے بالکل بے تعلقی کا اظہار کریں گے۔

۱۰۹؂ یعنی بدحواسی میں مبتلا کرے گا۔

۱۱۰؂ یعنی اتنی سخت سزا تمہیں اس لئے دی جا رہی ہے کہ دنیا میں تم کو جو نعمتیں حاصل ہوئی تھیں ان پر اتراتے رہے، جب کہ ان کے حاصل ہو جانے پر تمہیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے تھا۔ اسی طرح تم اپنے غرور اور گھمنڈ کی وجہ سے حق کی مخالفت کرتے رہے۔ حالانکہ اس کے آگے تمہاری گردنیں جھک جانا چاہئے تھیں۔

۱۱۱؂ یعنی اللہ کا یہ وعدہ کہ رسول کو جھٹلانے والی قوم بالآخر عذاب سے دوچار ہو گی۔

۱۱۲؂ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ یونس نوٹ ۷۵؂۔

واضح رہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم میں سے ایک بڑی تعداد رفتہ رفتہ ایمان لے آئی اس لئے اس پر اس طرح کا کوئی عذاب نہیں آیا جیسا کہ گزشتہ قوموں پر آیا تھا۔ بلکہ کافروں کا قلع قمع اہل ایمان کی تلوار کے ذریعہ کیا گیا۔

۱۱۳؂ قرآن میں جن انبیاء علیہم السلام کا ذکر ناموں کی صراحت کے ساتھ ہوا ہے وہ ہیں آدم، ہود، صالح، ادریس، ابراہیم، لوط، اسمٰعیل، اسحاق، یعقوب، یوسف، ایوب، شعیب، موسیٰ، ہارون، یونس، داؤد، سلیمان، الیاس، الیسع، ذوالکفل، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ علیہم السلام اور محمد ﷺ۔ ان انبیاء علیہم السلام میں خاصی تعداد رسولوں کی ہے۔ رسول، نبی کی بہ نسبت خاص ہے۔ اسے کسی قوم کی طرف پیغام دے کر بھیجا جاتا ہے۔ جب کہ نبی پر وحی تو نازل ہوتی ہے لیکن اس کے سپرد کچھ مخصوص کام ہوتے ہیں مثلاً حضرت آدم نبی تھے جن کا کام اپنی اولاد کی رہنمائی کی حد تک محدود تھا کیوں کہ اس وقت کوئی قوم وجود ہی میں نہیں آئی تھی کہ اس کی طرف رسول بھیجا جاتا۔ اس طرح حضرت خضر کا جن کے نام کی کوئی صراحت قرآن میں نہیں بلکہ حدیث میں ہوئی ہے؟ ان کا کار نبوت عالم اسباب کے بعض اسرار پر سے پردہ اٹھانا تھا۔ یہ بھی واضح رہے کہ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی اصطلاحی معنی میں رسول نہیں ہوتا۔

قرآن نے بیشتر ان ہی پیغمبروں کا ذکر کیا ہے جو اپنی ایک تاریخ رکھتے تھے اور حجت قائم کرنے کیلئے ان ہی کے حالات بیان کرنا مفید ہو سکتا تھا۔ لیکن قرآن صراحت کرتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی پیغمبر بھیجے گئے جن کی بعثت مختلف زمانوں اور مختلف قوموں میں ہوئی۔ ان تمام پیغمبروں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ رہی ان کی تعداد تو نہ قرآن میں تعداد بیان ہوئی ہے۔ اور نہ کسی صحیح حدیث میں۔ جن روایتوں میں انبیاء اور رسولوں کی تعداد بیان ہوئی ہے ان میں سے کوئی بھی صحت کے درجے پر پوری نہیں اترتی۔ اس سلسلہ کی مشہور روایت ابوذر سے ہے جس کو ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ہوئے ہیں جن میں سے تین سو تیرا رسول تھے۔ لیکن اس کا ایک راوی ابراہیم بن ہشام ہے

بقیہ صفحہ ۳۲۷ پر

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۷۹﴾

۷۹ اللہ ہی نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے، کہ تم بعض کو سواری کے کام میں لاؤ۔ اور بعض تمہاری غذا کے کام آتے ہیں۔

وَلَكُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ وَلِتَبْلُغُوْا عَلَیْهَا حَاجَةً فِیْ صُدُوْرِكُمْ وَعَلَیْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۸۰﴾

۸۰ ان میں تمہارے لئے دوسرے فائدے بھی ہیں ۱۱۶۔ اور (پیدا اس لئے کئے گئے ہیں) تا کہ تم ان کے ذریعہ اس غرض کو پورا کرو جو تمہارے دل میں ہو ۱۱۷۔ تمہیں ان پر اور کشتیوں پر اٹھایا جاتا ہے۔ ۱۱۸۔

وَیُرِیْكُمْ اٰیٰتِهٖ فَاَیَّ اٰیٰتِ اللّٰهِ تُنْكِرُوْنَ ﴿۸۱﴾

۸۱ وہ اپنی نشانیاں تمہیں دکھا رہا ہے، تو تم اللہ کی کن کن نشانیوں کا انکار کروگے ! ۱۱۹۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ مِنْهُمْ وَاَشَدَّ قُوَّةً وَّاٰثَارًا فِی الْاَرْضِ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

۸۲ کیا یہ لوگ زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھ لیتے ان لوگوں کا کیا انجام ہوا جو ان سے پہلے گزرے ہیں ۱۲۰۔ وہ ان سے تعداد میں زیادہ تھے اور قوت میں اور زمین پر آثار چھوڑنے کے اعتبار سے بھی بڑھ کر تھے۔ مگر ان کی یہ کمائی ان کے کچھ کام نہ آئی۔

فَلَمَّا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرِحُوْا بِمَا عِنْدَهُمْ مِّنَ الْعِلْمِ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۸۳﴾

۸۳ جب ان کے رسول ان کے پاس واضح دلیلیں لے کر آئے تو وہ اس علم پر نازاں رہے جو ان کے پاس تھا ۱۲۱۔ اور اس عذاب نے ان کو گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔

فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهٖ مُشْرِكِیْنَ ﴿۸۴﴾

۸۴ جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو بول اٹھے ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور ان کا انکار کرتے ہیں، جن کو ہم اس کا شریک ٹھہراتے تھے۔ ۱۲۲۔

فَلَمْ یَكُ یَنْفَعُهُمْ اِیْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِكَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

۸۵ مگر ان کا ایمان لانا ان کے لئے کچھ بھی مفید نہیں ہو سکتا تھا جب کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھ لیا ۱۲۳۔ یہی اللہ کی سنت (قاعدہ) ہے جو اس کے بندوں میں جاری رہی ہے۔ اور اس وقت کافر تباہ ہو کر رہے۔

۱۱۶۔ مثلاً ان چوپایوں سے تمہیں دودھ اور مکھن حاصل ہوتا ہے، ان کا چمڑا، اون اور ہڈیاں تمہاری مختلف ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔

۱۱۷۔ یعنی ان کو بار برداری کے کام میں لاسکو۔ اور یہ ایسی اہم ضرورت ہے جس کو تم خود اپنے نفس میں محسوس کرتے ہو۔ اور یہ واقعہ ہے کہ مشینی دور سے پہلے بار برداری کا کام چوپایوں ہی سے لیا جاتا تھا۔ زمین جوتنے اور آبپاشی کی خدمت بھی چوپایوں سے لی جاتی ہے۔

۱۱۸۔ یعنی تم کو چوپائے بھی اٹھائے اٹھائے پھرتے ہیں اور کشتیاں بھی۔

۱۱۹۔ یعنی یہ چوپائے جن سے تمہارے طرح طرح کے فوائد وابستہ ہیں اور یہ کشتیاں جو تمہیں اٹھائے پھرتی ہیں کیا اس بات کی علامت نہیں ہیں کہ یہ سب تمہاری پرورش کا سامان ہے جو اللہ نے کیا ہے؟ اس کی ربوبیت کی ان صریح نشانیوں کو دیکھتے ہوئے تم اس کے رب حقیقی اور الٰہ واحد ہونے کا کس طرح انکار کرتے ہو؟

۱۲۰۔ اشارہ ہے ان تباہ شدہ قوموں کی طرف جن کی تاریخ اور جن کے آثار سے عبرت حاصل کی جاسکتی ہے۔

۱۲۱۔ یعنی مذہب کا جو ناقص علم ان کے پاس تھا اور دنیوی علوم وفنون میں جو درک ان کو حاصل ہو گیا تھا، اس پر وہ نازاں ہو گئے اور اس علم حقیقی کی قدر نہیں کی جس کا سرچشمہ وحی الٰہی ہے اور جس کی تعلیم وقت کا رسول دے رہا تھا۔

موجودہ دور تو سائنس اور ٹکنالوجی کا دور ہے اور آج کا انسان مادی علوم وفنون ہی کو سب کچھ سمجھتا ہے اور اس پر فخر کرتا ہے، جب کہ اس علم سے وہ حقائق روشن نہیں ہوتے جو علم نبوت سے روشن ہوتے ہیں۔ جس علم کو ترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے اس کی رسائی اس دنیا کے خول سے باہر نہیں ہے۔ اس سے نہ اب تک مقصدِ زندگی کا تعین ہوسکا ہے اور نہ یہ معلوم ہوسکا ہے کہ مرنے کے بعد انسان کے ساتھ کیا معاملہ پیش آتا ہے۔ اور نہ ہی یہ اس کی روحانی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ اگر انسان میں یہ احساس جاگ اٹھے تو وہ اس علم کی طرف بڑھے جس سے یہ سب عقدے حل ہو جاتے ہیں اور قرآن کا قدر داں بن جائے، جو علوم ومعارف کا خزانہ ہے۔

۱۲۲۔ یعنی جب اللہ کا عذاب آیا تو اپنے بتوں اور دیوی دیوتاؤں کو بھول گئے۔ اس وقت انہوں نے اللہ کے واحد معبود اور رب ہونے کا اقرار کیا اور اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کا انکار کیا۔

۱۲۳۔ یعنی عذاب کو دیکھ لینے کے بعد مہلت عمل ختم ہو جاتی ہے اور امتحان کا وقت باقی نہیں رہتا، اس لئے اس وقت ایمان لانا بے سود ہوتا ہے ایمان وہی معتبر ہے جو عذاب کو دیکھ لینے سے پہلے یا موت کے آنے سے پہلے لایا جائے۔

بقیہ صفحہ ۳۲۵ سے آگے

جس کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل نے بہت کچھ کلام کیا ہے اور ابن جوزی نے اس حدیث کو موضوعات (گھڑی ہوئی حدیثوں) میں شمار کیا۔ (ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۸۷)

۱۱۴۔ یہاں آیۃ (نشانی) سے مراد معجزہ ہے اور معجزہ دکھانا کسی رسول کے اختیار کی بات نہیں، بلکہ جب اللہ کی حکمت متقاضی ہوتی ہے وہ اپنے رسول کے ہاتھ پر معجزہ ظاہر کرتا ہے۔

۱۱۵۔ حکم سے مراد فیصلہ کن حکم ہے۔

سورۂ
حٰمٓ السجدہ

۴۱۔حٰمٓ السجدہ

نام اس سورہ کا آغاز حٰمٓ کے حروف سے ہوتا ہے۔اور آیت ۳۷ میں اللہ ہی کو سجدہ کرنے کا حکم آیا ہے۔اس مناسبت سے اس سورہ کا نام ''حٰمٓ السَّجدہ'' ہے۔

زمانۂ نزول مضامین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مکہ کے وسطی دور میں نازل ہوئی ہوگی۔

مرکزی مضمون قرآن کا انکار کرنے والوں کو متنبہ کرنا،اور اس پر ایمان لانے والوں کو خوشخبری دینا ہے۔

نظمِ کلام آیت ۱ تا ۸ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ قرآن کی قدر پہچانو۔

آیت ۹ تا ۱۸ میں منکرین کو دعوتِ فکر دی گئی ہے۔اور وحی و رسالت کو جھٹلانے کے نتیجہ میں آنے والے عذاب سے آگاہ کر دیا ہے۔

آیت ۱۹ تا ۲۵ میں اللہ کے دشمنوں کا وہ انجام بیان ہوا ہے،جس سے وہ قیامت کے دن دو چار ہوں گے۔

آیت ۲۶ تا ۲۹ میں قرآن کے خلاف ہنگامہ برپا کرنے والوں کو جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔

آیت ۳۰ تا ۳۶ میں ان لوگوں کو جنت کی بشارت دی گئی ہیں،جو کافروں کی اس ہنگامہ آرائی اور تمام مخالفتوں کے باوجود اپنے ایمان پر قائم رہے۔ساتھ ہی انہیں دعوت کی راہ میں مخالفین سے درگزر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

آیت ۳۷ تا ۴۰ میں اللہ کے واحد معبود ہونے،اور مُردوں کے اٹھائے جانے پر قادر ہونے کی نشانیاں واضح کی گئی ہیں۔

آیت ۴۱ تا ۴۶ میں واضح کیا گیا ہے کہ قرآن کس شان کی کتاب ہے،اور منکرین اس کے ساتھ کیا سلوک کر رہے ہیں اور اس کے کیا نتائج مرتب ہوں گے۔

آیت ۴۷ تا ۵۱ میں انسان کے مشرکانہ رویہ اور منکرِ قیامت ہونے پر گرفت ہے۔

آیت ۵۲ تا ۵۴ سورہ کے خاتمہ کی آیات ہیں،جن میں قرآن کے بارے میں منکرین کے شبہات کا ازالہ کرتے ہوئے پیشین گوئی کی گئی ہے کہ عنقریب اس کی صداقت کی نشانیاں آفاق و انفس میں ظاہر ہوں گی۔

سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳﴾

بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۚ فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۴﴾

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ وَفِيْٓ اٰذَانِنَا وَقْرٌ
وَّمِنْۢ بَيْنِنَا وَبَيْنِكَ حِجَابٌ فَاعْمَلْ اِنَّنَا عٰمِلُوْنَ ﴿۵﴾

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ
فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶﴾

الَّذِيْنَ لَا يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۷﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۸﴾

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ
وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۗ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹﴾

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبٰرَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَآ
اَقْوَاتَهَا فِيْٓ اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ ۗ سَوَآءً لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۱۰﴾

۴۱۔ سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَة

آیات: ۵۴

اللہ رحمٰن ورحیم کے نام سے

۱ حا ۔ میم۔ ا ۔

۲ یہ رحمٰن ورحیم کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ ۲ ۔

۳ ایک ایسی کتاب جس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئی ہیں ۳ ۔ عربی قرآن ۴ ۔ ان لوگوں کیلئے جو علم رکھتے ہیں۔ ۵ ۔

۴ خوشخبری دینے والی اور آگاہ کرنے والی ۶ ۔ مگر ان میں سے اکثر لوگوں نے منہ پھیرا اور وہ اس کو سنتے ہی نہیں۔

۵ کہتے ہیں جس چیز کی طرف تم ہمیں بلا رہے ہو، ہمارے دل اس کی طرف سے پردہ میں ہیں، اور ہمارے کان بہرے ہیں، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ایک حجاب حائل ہے۔ تو تم اپنا کام کرو ہم اپنا کام کرتے رہیں گے۔ ۷ ۔

۶ کہو میں تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا الٰہ (معبود) ایک ہی الٰہ ہے ۸ ۔ تو تم سیدھے اسی کا رخ کرو ۹ ۔ اور اس سے معافی چاہو ۱۰ ۔ تباہی ہے مشرکین کیلئے۔

۷ جو زکوٰۃ نہیں دیتے ۱۱ ، اور آخرت کا انکار کرتے ہیں۔

۸ البتہ جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے، ان کے لئے ایسا اجر ہے جو کبھی ختم ہونے والا نہیں۔ ۱۲ ۔

۹ کہو کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو اور اس کے ہمسر ٹھہراتے ہو، جس نے دو دن میں زمین بنائی؟ وہی تو رب العالمین ہے۔ ۱۳ ۔

۱۰ اس نے زمین میں اوپر سے پہاڑ گاڑ دیئے اور اس میں برکتیں رکھیں اور غذائی سامان رکھا ۱۴ ، یہ چار دنوں میں ہوا ۱۵ ۔ (یہ نعمتیں) یکساں ہیں تمام طلب کرنے والوں کے لئے۔ ۱۶ ۔

۱۔ ان حروف کی تشریح سورۂ مؤمن نوٹ ۱۔ میں گزر چکی۔

اس سورہ میں اللہ کے حکیم ہونے کی صفت آیت ۴۲ میں بیان ہوئی ہے جس کی طرف یہ حروف اشارہ کرتے ہیں۔

۲۔ اللہ جس کے سایۂ رحمت میں انسان پرورش پا رہا ہے اور جو اپنے مخلص بندوں کو رحمتِ خاص سے نوازتا ہے اس کی رحمت اس کتاب کے نزول کا باعث ہوئی ہے۔اس لئے یہ کتاب سراسر رحمت ہے۔

۳۔ تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورہ ہود نوٹ ۳۔

۴۔ قرآن کے مخاطب اول عرب تھے اس لئے قرآن عربی زبان میں نازل کیا گیا۔دوسری قوموں کے لئے قرآن بالواسطہ حجت ہے۔یہ مطلب نہیں کہ عربی میں ہونے کی وجہ سے صرف عربوں پر حجت قائم ہوتی ہے اور دوسروں پر نہیں۔قیصر و کسریٰ کی زبان عربی نہیں تھی مگر ان پر قرآن کے ذریعہ بالواسطہ طور پر حجت قائم کی گئی۔اور اس زمانہ میں امتِ مسلمہ کے ذریعہ دنیا کی مختلف زبانوں میں قرآن کریم کے تراجم کی اشاعت ہو رہی ہے لہٰذا کسی کے لئے یہ کہنے کا موقع نہیں ہے کہ قرآن عربی زبان میں ہے اس لئے غیر عربی داں لوگوں کے لئے کس طرح حجت ہو سکتا ہے۔

۵۔ یہ مطلب نہیں کہ اس کتاب سے علماء اور فضلاء ہی استفادہ کر سکتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ خدا اور مذہب کے معاملہ میں جہالت میں مبتلا نہیں ہوتے بلکہ علم کو بنیاد بناتے ہیں یہ کتاب ان پر ہدایت کی راہ کھول دیتی ہے اور وہ اس سے فیضیاب ہوتے ہیں۔

۶۔ یعنی یہ کتاب ایمان لانے اور راہ ہدایت پر چلنے والوں کو جاودانی کامیابی کی خوشخبری دیتی ہے اور اس کے ماننے سے انکار کرنے والوں کو دائمی عذاب سے آگاہ کرتی ہے۔

۷۔ کافروں کا یہ جواب ان کی ڈھٹائی اور تکبر کو ظاہر کرتا ہے۔اور آدمی جب دعوتِ قرآنی کے مقابلہ میں یہ رویہ اختیار کرتا ہے تو اسے سننے سمجھنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

۸۔ یعنی تم نہیں مانتے تو نہ مانو مگر میرا مؤقف تم پر واضح رہے کہ نہ میں نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے اور نہ فرشتہ ہونے کا۔میں تمہاری ہی طرح گوشت پوست کا انسان ہوں البتہ اللہ نے جو امتیاز مجھے بخشا ہے وہ یہ ہے کہ مجھ پر اس کی وحی نازل ہوتی ہے تاکہ میں اس کا پیغام تمہیں پہنچاؤں اور اس پیغام کا اولین نکتہ یہ ہے کہ تمہارا خدا ایک ہی خدا ہے اور وہی تمہارا معبود یعنی عبادت کا مستحق ہے۔

۹۔ یعنی اخلاص کے ساتھ اسی کی عبادت کرو،اس کے تابع فرمان بن کر رہو،اسی سے امیدیں وابستہ کرو اور اسی کی رضا کے طالب بنو۔

۱۰۔ یعنی اب تک جو غلط طرزِ عمل تمہارا رہا ہے اور جن گناہوں کا تم ارتکاب کرتے رہے ہو اس پر اللہ سے معافی کے خواستگار ہو جاؤ۔

۱۱۔ مشرکین کا ایک بہت بڑا جرم یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے جو اسلام کا نہایت اہم رکن ہے اور پچھلی شریعتوں میں بھی اس کی حیثیت ایک اہم فریضہ کی رہی ہے۔حضرت اسمٰعیل نے بھی جن کی نسل سے عرب ہیں زکوٰۃ کی ادائیگی کا تاکیدی حکم دیا تھا۔(دیکھئے سورۂ مریم آیت ۵۵)

واضح رہے کہ شریعت کے مکلف سب ہی لوگ ہیں یعنی احکامِ الٰہی کی پابندی جس طرح اہل ایمان پر عائد ہوتی ہے اسی طرح مشرکوں اور کافروں پر بھی۔البتہ کسی بھی عمل کی قبولیت کے لئے مؤمن ہونا شرط ہے۔ایمان کے بغیر بڑے سے بڑا نیک عمل بھی اللہ کے ہاں بے وزن ہے۔لیکن مشرکوں اور کافروں کے شرعی احکام کی خلاف ورزی کرنے کی بنا پر ان کے جرم میں اور اضافہ ہو جاتا ہے اور وہ شدید سے شدید تر عذاب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ زکوٰۃ اسی طرح عبادت کی ایک شکل ہے جس طرح کہ قربانی،نیز محتاجوں اور مسکینوں کا حق بھی ہے جو اللہ نے اموال میں مقرر کیا ہے۔یہ حق پچھلی شریعتوں میں بھی معروف اور متعین رہا ہے اور مکہ کے ابتدائی دور میں جو شرعی احکام دیئے گئے ان میں بھی زکوٰۃ ادا کرنے کی تاکید اس صراحت کے ساتھ

کی گئی تھی کہ یہ ایک متعین حق ہے۔

وَالَّذِيْنَ فِىٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ۔ (معارج۔ ۲۴،۲۵)

''جن کے اموال میں حق مقرر ہے مانگنے والوں کا بھی اور جو محروم ہیں ان کا بھی۔''

بعد میں جب مدینہ میں زکوٰۃ کا باقاعدہ نظام قائم کرنے کا موقع آیا تو تفصیلی احکام دئے گئے۔

۱۲۔ یعنی ان کے اجر کا سلسلہ کبھی منقطع نہیں ہوگا بلکہ انہیں ہمیشہ ملتا رہے گا۔

۱۳۔ دن سے مراد وقت کی وہ مقدار ہے جو اللہ ہی کے علم میں ہے (مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۸۲) زمین کو دو دن میں پیدا کرنے کا مطلب یہ سمجھ میں آتا ہے کہ زمین کی تخلیق دو دور میں ہوئی۔ ممکن ہے ایک دور اس کے مادہ کی تخلیق اور اس کے عناصر کی ترکیب میں گزرا ہو اور دوسرا دور اس کے پرت بننے اور ایک خاص ہیئت اختیار کرنے میں۔ بہرصورت یہاں واضح کرنا یہ مقصود ہے کہ زمین نہ ازلی ہے کہ ہمیشہ خود بخود چلی آرہی ہے اور نہ اتفاقاً وجود میں آئی ہے، اور اس کو وجود میں لانے والی ہستی اللہ رب العالمین ہی کی ہے جس نے ایک طے شدہ منصوبہ کے تحت اس کو پیدا فرمایا ہے۔ دو دور میں اس کو پیدا کرنا ظاہر کرتا ہے کہ یہ نہایت حکیمانہ منصوبہ تھا جس کے نتیجہ میں زمین کا مادہ بتدریج ارتقائی شکل اختیار کرتا چلا گیا یہاں تک کہ اس نے کرۂ ارضی کی شکل اختیار کرلی۔ تو جس ہستی کی یہ کارفرمائی ہے اس کو خدائے واحد ماننے سے انکار کرنا اور دوسروں کو اس کے برابری کا ٹھہرانا جب کہ ان کا اس کائنات کی تخلیق میں کوئی حصہ نہیں کیسی نادانی کی بات ہے اور کتنی بڑی ظالمانہ حرکت ہے!

اس موقع پر یہ بات بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن نہ ارضیات (Geology) کی کتاب ہے اور نہ فلکیات (Astronomy) کی اور نہ ہی طبیعی علوم (Physical Sciences) کی، بلکہ وہ کتاب ہدایت ہے اور ہدایت کیلئے جس حد تک جس علم کی ضرورت تھی قرآن نے اس کو پورا کر دیا ہے۔ کائنات کے آغاز کا مسئلہ ہو یا انجام کا، قرآن نے اسی پہلو سے روشنی ڈالی ہے اس لئے متعلقہ آیات کا مطالعہ اسی پہلو سے کرنا چاہئے۔ مگر موجودہ دور میں وہ اصحاب فکر جو جدید علوم اور سائنسی انکشافات سے مرعوب ہیں سائنسی نظریات کی تائید میں قرآن کی آیات کو پیش کرنے لگتے ہیں خواہ اس میں ان کو کتنی ہی کھینچ تان کرنا پڑے۔ پھر اس حقیقت کو بھی نظرانداز نہیں کرنا چاہئے کہ کسی بھی آیت کے ذیل میں معلومات کا ڈھیر لگانے سے قرآن کا مطالعہ کرنے والوں کی نظر سے ہدایت اور تذکیر کا پہلو اوجھل ہوجاتا ہے اور ذہن معلومات ہی میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ مادی علوم کے غلبہ کے اس دور میں قرآن کی دعوت پیش کرنے والوں کے لئے تو اس معاملہ میں احتیاط برتنا ازبس ضروری ہے۔

۱۴۔ زمین میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکتیں رکھی ہیں کہ انسان کی تمام تمدنی ضروریات اس سے پوری ہوتی ہیں۔ زمین کے اندر مختلف دھاتوں وغیرہ کے ایسے ذخیرے پائے جاتے ہیں جن کو انسان برسہابرس سے نکالے جارہا ہے اور وہ کبھی ختم نہیں ہوتے۔ انسانی زندگی کا جن چیزوں پر دارومدار ہے وہ چیزیں زمین وافر مقدار میں مہیا کرتی ہیں۔ چنانچہ پانی کے چشمے ہر طرف رواں ہیں اور انواع واقسام کی غذائی اجناس زمین مسلسل اگلتی چلی جارہی ہے۔ ایک دانہ ڈالو تو زمین سیکڑوں دانے واپس کرتی ہے۔ ایک پودا لگاؤ تو زمین تناور درخت کھڑا کردیتی ہے اور پھلوں کی شکل میں اپنا تحفہ پیش کرنے لگتی ہے۔ انسانی زندگی کی معیشت کا یہ سامان اور خیر کے یہ خزانے زمین میں کس نے ودیعت کئے ہیں؟ یہ اصل سوال ہے انسان کے سوچنے کا اور اس کی صحیح جواب دہی پر انسان کے ہدایت پانے کا انحصار ہے۔

۱۵۔ یعنی دو دن میں زمین کی تخلیق ہوئی اور دو دن میں پہاڑ کھڑے کئے جانے اور زمین میں غذائی چیزیں پیدا کرنے کی صلاحیت ودیعت کرنے کا کام انجام پایا اس طرح چار دن یعنی چار دور میں زمین کی تخلیق مکمل ہوئی۔

۱۶؎ یعنی زمین کی یہ نعمتیں کسی مخصوص انسانی گروہ کے لئے وجود میں نہیں لائی گئی ہیں بلکہ ان کی افادیت عام ہے۔ یہ انسان کی فطرت کی مانگوں کو پورا کرنے کے لئے ہے۔ ہوا، پانی اور ہر قسم کی زمینی پیداوار تمام انسانوں کیلیئے سامانِ معیشت ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ اس سے ہر شخص فائدہ اٹھاتا ہے مگر جس ہستی نے انسان کی طلب کو پورا کرنے کا یہ سامان کیا ہے اس کو عام طور سے لوگ بھول جاتے ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِىَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ
ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا ؕ قَالَتَآ اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ ﴿۱۱﴾

فَقَضٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوَاتٍ فِىْ يَوْمَيْنِ وَاَوْحٰى فِىْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا ؕ
وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ ۖ وَحِفْظًا ؕ
ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۱۲﴾

فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ
عَادٍ وَّثَمُوْدَ ؕ ﴿۱۳﴾

اِذْ جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ قَالُوْا لَوْ شَآءَ رَبُّنَا لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً
فَاِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۴﴾
فَاَمَّا عَادٌ فَاسْتَكْبَرُوْا فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَقَالُوْا
مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً ؕ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِىْ خَلَقَهُمْ هُوَ اَشَدُّ
مِنْهُمْ قُوَّةً ؕ وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۱۵﴾

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِىْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ
عَذَابَ الْخِزْىِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَخْزٰى وَهُمْ
لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۶﴾
وَاَمَّا ثَمُوْدُ فَهَدَيْنٰهُمْ فَاسْتَحَبُّوا الْعَمٰى عَلَى الْهُدٰى فَاَخَذَتْهُمْ
صٰعِقَةُ الْعَذَابِ الْهُوْنِ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۚ ﴿۱۷﴾

وَنَجَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸﴾

۱۱ پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ فرمائی جو دھوئیں کی شکل میں تھا ۱۷؎
اس نے اس سے اور زمین سے فرمایا حکم کی تعمیل کرو رضا مندی سے یا بغیر
رضا مندی کے۔ انہوں نے کہا ہم نے تعمیل کی رضا مندی سے۔ ۱۸؎
۱۲ تو اس نے سات آسمان بنا دئے دو دنوں میں ۱۹؎، اور ہر
آسمان میں اس کے احکام وحی کر دئے ۲۰؎۔ ہم نے آسمانِ دنیا کو
چراغوں سے زینت بخشی ۲۱؎، اور اس کو محفوظ کر دیا ۲۲؎۔ یہ اس
ہستی کی منصوبہ بندی ہے جو غالب اور نہایت علم والا ہے۔ ۲۳؎
۱۳ اب اگر یہ بے رخی برتتے ہیں تو ان سے کہو میں تمہیں اسی طرح
کے عذاب سے ڈراتا ہوں، جس طرح کا عذاب عاد اور ثمود پر ٹوٹ
پڑا تھا۔ ۲۴؎
۱۴ جب ان کے رسول ان کے آگے اور پیچھے سے آئے ۲۵؎، کہ اللہ
کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، تو انہوں نے کہا ہمارا رب چاہتا تو فرشتے
نازل کرتا۔ لہٰذا ہم اس پیغام کو نہیں مانتے جس کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو۔
۱۵ عاد کا واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے زمین میں گھمنڈ کیا جس کا انہیں
کوئی حق نہیں تھا اور کہنے لگے کون ہے ہم سے زیادہ زور آور؟ انہوں
نے یہ نہ سوچا کہ جس نے ان کو پیدا کیا ہے وہ ان سے زیادہ زور آور
ہے ۲۶؎۔ اور وہ ہماری آیتوں کا انکار ہی کرتے رہے۔
۱۶ بالآخر ہم نے ان پر منحوس دنوں میں ۲۷؎، تند ہوا بھیجی ۲۸؎،
تاکہ انہیں دنیا کی زندگی میں ذلت کے عذاب کا مزا چکھائیں اور آخرت
کا عذاب تو اس سے بھی زیادہ رسوا کن ہوگا اور وہ کوئی مدد نہ پا سکیں گے۔
۱۷ رہے ثمود تو ہم نے ان کو راہ دکھائی لیکن انہوں نے ہدایت کے
مقابلہ میں اندھے پن کو پسند کیا ۲۹؎۔ تو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے
ان کو ذلت کے تباہ کن عذاب نے پکڑ لیا۔ ۳۰؎
۱۸ اور ہم نے ان لوگوں کو بچا لیا جو ایمان لائے تھے اور اللہ سے
ڈرتے تھے۔

۱۷۔ آسمان اور زمین کا مادہ تو ایک ساتھ ہی پیدا کر دیا گیا تھا جیسا کہ سورۂ انبیاء کی آیت ۳۰ سے واضح ہے لیکن زمین کی تشکیل پہلے کی گئی اور آسمان کی بعد میں جب زمین کی تشکیل ہوئی تو آسمان ایک دھویں (دخان) کی شکل میں موجود تھا۔ دھویں سے گرم گیس (Hot Gases) کی طرف ذہن منتقل ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ اسی کی تعبیر ہو۔

۱۸۔ زمین اور آسمان اگرچہ جمادات ہیں مگر جمادات کے بارے میں یہ خیال کرنا صحیح نہیں کہ وہ شعور سے بالکل ہی عاری ہیں۔ ہم ان کے شعور کی کیفیت کو نہیں جانتے لیکن قرآن نے اس کائنات کے جن اسرار و رموز پر سے پردہ اٹھایا ہے ان سے ہمارے علم میں یہ اضافہ ہو گیا کہ کائنات کی ہر چیز اپنے خالق کو جو اس کا رب بھی ہے پہچانتی ہے، اس کا حکم سنتی اور اس کی تعمیل کرتی ہے اور اس کی تسبیح اور حمد کرنے میں زمزمہ سنج ہے۔ اس آیت سے مزید یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آسمان و زمین اللہ کے احکام کی تعمیل مجبوری کے درجہ میں ناگواری کے ساتھ نہیں کر رہے ہیں بلکہ اس پر رضا مند ہیں۔ اس سے یہ اشارہ خود بخود نکلتا ہے کہ انسان کو اپنے رب کی اطاعت برضا و رغبت کرنی چاہئے۔

۱۹۔ ہماری نگاہ کی رسائی آسمانِ دنیا تک ہی ہے لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ کائنات اسی حد تک محدود ہے۔ قرآن صراحت کرتا ہے کہ آسمان کے اوپر اور آسمان بھی ہیں۔ آسمان کا جو ابتدائی مادہ تخلیق کیا گیا تھا اس سے سات آسمان اس نے استوار کئے۔ ان سات آسمانوں میں کیا کچھ ہے اللہ ہی کو معلوم ہے۔ البتہ اس دنیا کی آسمانی فضا میں لاتعداد اجرامِ سماوی کا وجود مشاہدہ میں آنے والی چیز ہے۔

۲۰۔ یعنی اللہ کے جن قوانین کی انہیں پابندی کرنا ہے اور جو کام اس کی ہدایت کے مطابق انجام دینا ہے ان کا الہام ان پر کر دیا گیا۔

۲۱۔ یعنی تارے آسمان کا پر جمال منظر پیش کرتے ہیں اور مشاہدہ کرنے والوں کو دعوتِ فکر دیتے ہیں کہ کیسے کمالات سے متصف ہے وہ ہستی جس نے اتنی حسین و جمیل بزم آراستہ کی۔

۲۲۔ ستارے ایک تو اس پہلو سے آسمان کی حفاظت کا ذریعہ ہیں کہ ان سے نکلنے والے تیز شعلے (شہاب ثاقب) شیاطین کی آسمان میں پرواز کو روک دیتے ہیں (دیکھئے سورۂ حجر آیت ۱۸ نوٹ ۱۶) اور کچھ دوسرے پہلوؤں سے بھی جو ہمارے علم میں نہیں۔ ممکن ہے ستاروں کے جذب و انجذاب (کشش) کے قانون کے ذریعہ آسمان کی حفاظت کا سامان کر دیا گیا ہو۔ والعلم عند اللہ۔

۲۳۔ یعنی یہ کائنات کسی منصوبہ کے بغیر نہ وجود میں آئی ہے اور نہ چل رہی ہے بلکہ اس کے پیچھے ایک زبردست قدرت رکھنے والی اور نہایت علم رکھنے والی ہستی کا منصوبہ کارفرما ہے۔ یہ منصوبہ ایک حکیمانہ اسکیم اور ایک بامقصد نظام ہے جس کی ایک غایت ہے۔ اس منصوبہ کو وحی کی روشنی ہی میں سمجھا جا سکتا ہے اور وہ ہے قرآن۔

۲۴۔ یعنی اگر یہ مشرکین ان حقیقتوں کو قبول نہیں کرتے اور توحید کو ماننے سے انکار کرتے ہیں تو انہیں عذاب سے آگاہ کر دو۔

۲۵۔ رسولوں کے آگے اور پیچھے سے آنے کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوموں کے سامنے دعوتِ حق ہر جہت سے پیش کی اور ان کو سمجھانے کی ہر طرح کوشش کی۔

۲۶۔ یعنی مادی وسائل کی فراوانی اور اپنی تمدنی ترقی کا غرہ انہیں ایسا رہا کہ وہ اللہ کو بھی بھول گئے۔ اگر وہ یہ سمجھتے کہ ہمارے اوپر ایک زبردست طاقت رکھنے والی ہستی موجود ہے تو اللہ سے ڈرتے اور گھمنڈ میں مبتلا نہ ہوتے۔

۲۷۔ منحوس دنوں سے مراد وہ دن ہیں جب کہ ان کے کفر کی پاداش میں ان کی شامت آئی اور وہ تباہ ہو گئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ دن بجائے خود منحوس تھے۔ اگر ایسا ہوتا تو اہل ایمان کو بھی یہ نحوست لگ جاتی مگر وہ بالکل محفوظ رہے۔ دنوں کے بجائے خود منحوس ہونے کا خیال محض وہمی ہے اور اسلام میں

کوئی دن بھی نحس نہیں ہے البتہ جس دن کسی کی شامت اس کے بُرے اعمال کے نتیجہ میں آئے وہ دن اس کے لئے اس اعتبار سے منحوس قرار پائے گا کہ اسے برا انجام دیکھنا پڑا۔

۲۸۔ نہایت تیز ہوا جس نے سب کچھ تہس نہس کر کے رکھ دیا۔

۲۹۔ یعنی ثمود پر ہدایت کی راہ واضح کر دی تھی لیکن انہوں نے اس کو اختیار نہیں کیا بلکہ اس کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اس طرح وہ اندھے بن کر بھٹکتے رہے۔

۳۰۔ قوم ثمود پر جو عذاب آیا اس کی تفصیل کے لئے دیکھئے سورۂ اعراف نوٹ ۱۲۳، ۱۲۴۔

جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں اس قرآن کو نہ سنو اور اس
(کی تلاوت) میں شور وغل مچاؤ تاکہ تم غالب رہو۔ان
کافروں کو ہم سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے اور جو
بدترین کام وہ کرتے رہے ہیں، ان کا بدلہ ضرور انہیں دیں
گے۔ یہ اللہ کے دشمنوں کا بدلہ ہے یعنی جہنم۔ اسی میں ان
کے لئے ہمیشگی کا گھر ہوگا۔ یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ
ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔ (القرآن)

وَيَوْمَ يُحْشَرُ أَعْدَاءُ اللَّهِ إِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوزَعُونَ ﴿١٩﴾

۱۹ اور وہ دن جب اللہ کے دشمنوں کو جہنم کی طرف لے جانے کے لئے اکٹھا کیا جائے گا اور ان کی درجہ بندی کی جائے گی۔ ۳۱؎

حَتَّىٰ إِذَا مَا جَاءُوهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ
وَجُلُودُهُم بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٠﴾

۲۰ یہاں تک کہ جب وہ وہاں پہنچ جائیں گے ۳۲؎، تو ان کے کان، ان کی آنکھیں اور ان کی جلدیں ان کے خلاف گواہی دیں گی کہ وہ کیا کچھ کرتے رہے ہیں۔ ۳۳؎

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدتُّمْ عَلَيْنَا ۖ قَالُوا أَنطَقَنَا اللَّهُ
الَّذِي أَنطَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ خَلَقَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَإِلَيْهِ
تُرْجَعُونَ ﴿٢١﴾

۲۱ وہ اپنی جلدوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ وہ کہیں گی ہمیں اسی اللہ نے گویا کر دیا جس نے ہر چیز کو گویا کیا ۳۴؎ ۔۔۔۔ اسی نے ۳۵؎، تم کو پہلی مرتبہ پیدا کیا اور اب تم اسی کی طرف لوٹائے جا رہے ہو۔ ۳۶؎

وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ
وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ وَلَٰكِن ظَنَنتُمْ أَنَّ اللَّهَ
لَا يَعْلَمُ كَثِيرًا مِّمَّا تَعْمَلُونَ ﴿٢٢﴾

۲۲ اور تم یہ اندیشہ نہ رکھتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں اور تمہاری جلدیں تمہارے خلاف گواہی دیں گی، بلکہ تم نے تو یہ گمان کیا تھا کہ اللہ بھی ان بہت سی باتوں کو نہیں جانتا جو تم کرتے ہو۔

وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم
مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٣﴾

۲۳ اپنے رب کے بارے میں تمہارا یہی گمان تھا جس نے تم کو ہلاکت میں ڈالا اور تم خسارہ میں پڑ گئے۔ ۳۷؎

فَإِن يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ۖ وَإِن يَسْتَعْتِبُوا فَمَا هُم
مِّنَ الْمُعْتَبِينَ ﴿٢٤﴾

۲۴ اب اگر وہ صبر کریں تو جہنم ہی ان کا ٹھکانا ہے۔ اور اگر وہ معافی مانگیں گے تو انہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔ ۳۸؎

وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَزَيَّنُوا لَهُم مَّا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا
خَلْفَهُمْ وَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْقَوْلُ فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن
قَبْلِهِم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا خَاسِرِينَ ﴿٢٥﴾

۲۵ اور ہم نے اس پر ایسے ساتھی مسلط کر دیئے تھے جو ان کے آگے اور پیچھے کی ہر چیز ان کو خوشنما بنا کر دکھاتے تھے ۳۸؎ [الف] بالآخر ان پر بھی میرا وہ فرمان پورا ہو کر رہا، جو ان سے پہلے گزرے ہوئے جنوں اور انسانوں کے گروہوں پر پورا ہوا تھا ۳۹؎، وہ تباہ ہو کر رہے۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ
وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ ﴿٢٦﴾

۲۶ جن لوگوں نے کفر کیا وہ کہتے ہیں اس قرآن کو نہ سنو اور اس (کی تلاوت) میں شور و غل مچاؤ تاکہ تم غالب رہو۔ ۴۰؎

فَلَنُذِيقَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا عَذَابًا شَدِيدًا
وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَسْوَأَ الَّذِي كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٢٧﴾

۲۷ ان کافروں کو ہم سخت عذاب کا مزا چکھائیں گے اور جو بدترین کام وہ کرتے رہے ہیں، ان کا بدلہ ضرور انہیں دیں گے۔

ذَٰلِكَ جَزَاءُ أَعْدَاءِ اللَّهِ النَّارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا دَارُ الْخُلْدِ ۖ
جَزَاءً بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٢٨﴾

۲۸ یہ اللہ کے دشمنوں کا ۴۱؎، بدلہ ہے یعنی جہنم۔ اسی میں ان کے لئے ہمیشگی کا گھر ہوگا۔ یہ سزا ہے اس بات کی کہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے رہے۔

۳۱؎ یعنی ان کے جرائم کے اعتبار سے ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا جائے گا۔

۳۲؎ یعنی جہنم کے قریب پہنچ جائیں گے۔

۳۳؎ آنکھ اور کان گواہی دیں گے کہ ان کو گناہ کے کن کاموں میں استعمال کیا گیا تھا۔ اللہ کی نشانیاں دیکھنے سے آنکھوں کو اور نصیحت کی باتیں سننے سے کانوں کو بند کر لینا سب سے بڑا جرم ہے۔ پھر بھی جن چیزوں کو دیکھنا حرام ہے ان کو دیکھنا اور جن چیزوں کا سننا حرام ہے ان کو سننا کھلی معصیت ہے۔ لہٰذا جن گناہوں کا ارتکاب آنکھوں اور کانوں کے ذریعہ کیا گیا تھا وہ قیامت کے دن ان کی گواہی دیں گے اتنا ہی نہیں بلکہ جسم کا رُواں رُواں گواہی دے گا کہ اس کو کس طرح کفر و معصیت کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔

معلوم ہوا کہ انسان کے بدن کی جلد (کھال) بڑی حساس ہوتی ہے۔ گویا کہ وہ ٹیپ ہے جو اس کی اس حرکت کو ریکارڈ کر لیتا ہے اور قیامت کے دن یہ ٹیپ اپنا ریکارڈ سنائے گا۔

(مزید تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ یٰسین نوٹ ۷۰؎)

۳۴؎ قیامت کے دن یہ حقیقت بھی بے نقاب ہوگی کہ دنیا میں جو چیزیں بولتی ہوئی دکھائی نہیں دیتیں وہ گویائی سے بالکل محروم نہیں ہیں۔ اس روز ہر چیز ناطق ہوگی۔ زمین اپنے واقعات سنائے گی۔ (سورۂ زلزال) اور انسان کے اعضاء و جوارح بھی بول اٹھیں گے تاکہ انسان کے اعمال کے بارے میں شہادتیں بدرجۂ اتم ادا ہوں۔

موجودہ دور کے انسان کے لئے تو یہ تصور کہ اس کی جلد (کھال) بول اٹھے گی اور اس کے جرائم کی شہادت دے گی کچھ بھی عجیب نہیں ہے کیوں کہ آج ویڈیو کیسٹ کے ذریعہ وہ کسی بھی واقعہ کی بولتی فلم تیار کر لیتا ہے۔

۳۵؎ یہاں سے پھر اللہ تعالیٰ کا اپنا بیان شروع ہو جاتا ہے۔

۳۶؎ یعنی تمہیں اس بات سے انکار تھا کہ تمہاری واپسی اللہ کے حضور ہوگی مگر اب تم دیکھ رہے ہو کہ جس نے تم کو پہلی بار پیدا کیا تھا اسی کی طرف تم لوٹ کر آگئے ہو۔

۳۷؎ گناہ کرتے ہوئے یہ خیال کرنا کہ یہ اللہ کی نظروں سے پوشیدہ رہے گا سراسر کفر ہے۔ کوئی گناہ نہ اللہ کی نظر سے پوشیدہ رہ سکتا ہے نہ وہ اس سے بے خبر ہوتا ہے۔ مگر جب آدمی گناہ کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنے نفس کو دھوکہ دیتا ہے کہ اللہ کی نظر سے یہ پوشیدہ رہے گا۔ پھر جب یہ خیال دل میں جم جاتا ہے تو وہ گناہ پر گناہ کئے چلا جاتا ہے اور بالآخر وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا گرتا ہے۔

۳۸؎ یعنی اب جہنم میں بہر حال انہیں رہنا ہے چاہے وہ برداشت کریں یا نہ کریں۔ ان کے لئے معافی کا کوئی موقع باقی نہیں رہا۔

۳۸؎ (الف) مراد برے ساتھی ہیں۔ انسان جب عقل و شعور سے کام نہیں لیتا اور خواہشات کے پیچھے چل پڑتا ہے تو شیطان اس کا ساتھی بن جاتا ہے اور گمراہ لوگ اس کے ہمنشین، رفیق اور مشیر بن جاتے ہیں اور اس کے ذہن کو ایسا متاثر کرتے ہیں کہ باطل عقائد و نظریات اور بُرے اخلاق و اعمال اس کے لئے پُرکشش بن جاتے ہیں۔

آگے اور پیچھے کی ہر چیز کو خوشنما بنا کر دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ بُرے ساتھی اپنی دلفریب باتوں سے مستقبل کو بھی روشن کر کے دکھاتے ہیں اور ماضی کی گمراہیوں کو بھی اچھے نمونہ (Ideal) کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اور یہ واقعہ ہے کہ آج بھی کتنی ہی قومیں اپنے قدیم کلچر پر فخر کرتی ہیں حالانکہ ان کا کلچر جہالت، بے حیائی اور وہم پرستی کی بدترین مثال ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ اپنی مادی ترقی میں اپنے شاندار مستقبل کو دیکھ لیتی ہیں مگر اس کی حقیقت سراب سے زیادہ کچھ نہیں ہوتی۔

۳۹۔ یعنی اللہ کا یہ فرمان ہے کہ:

لَأَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكَ وَمِمَّنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ أَجْمَعِينَ۔ (ص:۸۵)

''میں تجھ سے (یعنی ابلیس سے) اور جو ان میں سے تیری پیروی کریں گے ان سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔''

۴۰۔ کافروں نے جب دیکھا کہ قرآن دلوں کو مسخر کرتا چلا جا رہا ہے اور کوئی دلیل ایسی نہیں جو اس کے مقابلہ میں ٹک سکے تو وہ ہنگامہ آرائی پر اتر آئے۔ ان کے لیڈروں نے عوام سے کہا کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو مت سنو اور خوب شور مچاؤ تاکہ تم اس آواز کو دبا سکو۔ مگر وہ حق تھا اس کو جتنا دبانے کی کوشش کی گئی اتنا ہی وہ ابھرتا چلا گیا اور آج دنیا بھر میں اس کو اس کثرت سے پڑھا اور سنا جاتا ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں پیش کی جا سکتی۔

۴۱۔ واضح ہوا کہ قرآن کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا تاکہ وہ عام لوگوں تک نہ پہنچے یا وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکیں ان ہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ کے دشمن ہوتے ہیں۔

اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوسکتی ہے، جو
اللہ کی طرف بلائے نیک عمل کرے، اور کہے کہ
میں مسلمین میں سے ہوں۔(القرآن)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا رَبَّنَآ اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا مِنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ نَجْعَلْهُمَا تَحْتَ اَقْدَامِنَا لِيَكُوْنَا مِنَ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿٢٩﴾

۲۹ اور کافر کہیں گے کہ اے ہمارے رب ! ہمیں ان جنوں اور انسانوں کو دکھا دے، جنہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ ہم ان کو اپنے پاؤں کے نیچے روند ڈالیں گے تا کہ وہ نچلے بن کر رہیں۔ ۴۲؎

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿٣٠﴾

۳۰ جن لوگوں نے کہا اللہ ہمارا رب ہے ۴۳؎، پھر اس پر استقامت اختیار کی ۴۴؎، یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں کہ نہ ڈرو اور نہ غم کرو۔ اور خوش ہو جاؤ جنت کی بشارت سے جس کا تم سے وعدہ کیا جارہا تھا۔ ۴۵؎

نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿٣١﴾

۳۱ ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی ہیں ۴۶؎ ۔اس میں تمہارا دل جو چاہے گا وہ تمہیں ملے گا اور جو چیز بھی تم طلب کرو گے تمہیں ملے گی۔ ۴۷؎

نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ﴿٣٢﴾

۳۲ یہ سامانِ ضیافت ہے اس (ہستی) کی طرف سے، جو غفور اور رحیم ہے۔ ۴۸؎

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿٣٣﴾

۳۳ اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوسکتی ہے، جو اللہ کی طرف بلائے نیک عمل کرے، اور کہے کہ میں مسلمین میں سے ہوں۔ ۴۹؎

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ۚ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ﴿٣٤﴾

۳۴ بھلائی اور بُرائی یکساں نہیں ہوسکتی۔ تم بُرائی کو اس طریقہ سے دور کرو جو سب سے بہتر ہو ۵۰؎۔ اس صورت میں تم دیکھوں گے کہ تمہارے اور جس شخص کے درمیان عداوت تھی، وہ گویا گہرا دوست بن گیا ہے۔ ۵۱؎

وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴿٣٥﴾

۳۵ مگر اس کی توفیق ان ہی لوگوں کو ملتی ہے، جو صبر کرتے ہیں اور یہ (فہم) ان ہی کو حاصل ہوتا ہے، جو بڑی قسمت والے ہوتے ہیں۔ ۵۲؎

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ۚ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٦﴾

۳۶ اور اگر شیطان کی طرف سے تمہارے دل میں کوئی اکساہٹ پیدا ہو، تو اللہ کی پناہ مانگو۔ وہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔ ۵۳؎

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ۚ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿٣٧﴾

۳۷ اس کی نشانیوں میں سے ہیں رات اور دن اور سورج اور چاند ۵۴؎ ۔نہ سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو، بلکہ اللہ ہی کو سجدہ کرو جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے، اگر تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو۔ ۵۵؎

۴۲ ۔ کافر جب جہنم میں داخل ہوں گے تو انہیں احساس ہوگا کہ گمراہ جنوں نے نیز ہمارے پیشواؤں اور لیڈروں نے ہماری بہت غلط رہنمائی کی تھی ۔ ان کے گمراہ کرنے سے ہم گمراہ ہوئے ۔ اس لئے وہ ان کے خلاف سخت غصہ کا اظہار کریں گے اور اپنے رب سے درخواست کریں گے کہ ان گمراہ کرنے والوں کو ہمیں دکھادے تا کہ ہم انہیں جہنم میں پیروں تلے روند ڈالیں اور ذلیل کر کے رکھ دیں ۔

دنیا میں تو کافر اپنے گمراہ پیشواؤں اور لیڈروں سے بڑی عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اور آنکھیں بند کر کے ان کے پیچھے چلتے ہیں مگر دوزخ میں پہنچنے کے بعد وہ ان پر لعنت بھیجیں گے اور ان کو کچل دینا چاہیں گے ۔

۴۳ ۔ کافروں کا حال اوپر بیان ہوا ہے اب مخلص مؤمنوں کا حال بیان کیا جارہا ہے ۔

۴۴ ۔ اللہ کو اپنا رب کہنے کا مطلب اس حقیقت کو تسلیم کر لینا ہے کہ اللہ ہی میرا خالق ، پروردگار ، مالک ، آقا ، معبود ، حاکم اور ہادی ہے ۔ جو شخص پورے شعور کے ساتھ اس حقیقت کو تسلیم کرتا ہے وہ لازماً اپنی اس حیثیت کو بھی تسلیم کرتا ہے کہ میں اس کی مخلوق ، اس کا پروردہ ، اس کی مملوک اور اس کا بندہ ہوں ۔ میرا کام اس کی عبادت کرنا ، اس کے احکام کی اطاعت کرنا اور اس کی ہدایت کی پیروی کرنا ہے ۔

اور اس بات پر استقامت اختیار کرنے کا مطلب یہ ہے کہ مرتے دم تک وہ اس پر قائم رہے اور اپنی عملی زندگی میں راست روی اختیار کرے ۔ آگے کے مضمون میں جنت کی جو بشارت دی گئی ہے وہ ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے ۔ قرآن نے جا بجا جنت کی بشارت ان لوگوں کو دی ہے جو ایمان لائیں اور عمل صالح کریں ۔ اس آیت میں بھی ''جنہوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے'' سے ایمان اور ''اس پر استقامت اختیار کی'' سے عمل صالح ہی مراد ہے مگر موقع و محل کے لحاظ سے ان کے خاص پہلوؤں پر زور دیا گیا ہے ۔ حدیث میں بھی یہ جو فرمایا گیا ہے کہ مَا مِنْ عبد قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِکَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّۃَ (جو بندہ بھی لا الہ الا اللہ کہتا ہے اور اس کی موت اس پر ہوتی ہے تو وہ جنت میں داخل ہوگا ۔ مسلم کتاب الایمان) تو وہ بھی اسی مفہوم میں ہے اور اپنے تمام تقاضوں کو لئے ہوئے ہے ۔ مگر جو لوگ رسمی دینداری کے قائل ہوتے ہیں وہ زبانی جمع خرچ کو کافی خیال کر لیتے ہیں اور اس خوش فہمی میں رہتے ہیں کہ ان کے اعمال کیسے ہی ہوں محض کلمہ پڑھ لینے سے انہیں جنت مل جائے گی ۔ اور دوزخ سے بالکل محفوظ رہیں گے ۔

امام رازی اپنی تفسیر میں اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ (جن لوگوں نے کہا ہمارا رب اللہ ہے) کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

''اس سے مراد محض زبان سے کہنا نہیں ہے کیوں کہ پھر استقامت کے کوئی معنی نہیں نکلتے لیکن جب ان کے اس قول کے بعد ان کی استقامت کا ذکر ہوا تو اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ قول (یعنی ہمارا رب اللہ ہے کہنا) پورے یقین اور حقیقی معرفت کے ساتھ ادا کرنے کے مفہوم میں ہے ۔'' (تفسیر کبیر ج ۲۷ ص ۱۲۱)

امام رازی نے آگے یہ بھی صراحت کی ہے کہ صحابہ و تابعین کی ایک بڑی تعداد نے استقامت کو اعمال صالحہ پر محمول کیا ہے ۔

۴۵ ۔ فرشتوں کا جنت کی بشارت دینے کے لئے نزول ان اہل ایمان ہی پر ہوسکتا ہے جنہوں نے مرتے دم تک استقامت اختیار کی ۔ دنیا میں زندگی بھر انسان کا امتحان ہوتا رہتا ہے اور اس میں کامیابی اور ناکامی کے نتائج اسی وقت نکلنا شروع ہوتے ہیں جب کہ امتحان کی گھڑی ختم ہو جاتی ہے ۔ اس لئے جب صالح مؤمنوں کی روح کو قبض کرنے کے لئے فرشتے نمودار ہوتے ہیں تو وہ جنت کی بشارت بھی سناتے ہیں ۔

موت کے فرشتوں کو دیکھ کر انسان پر سخت خوف اور دہشت طاری ہوتی ہوگی لیکن صالح مؤمنوں کو فرشتے اسی لمحے مطمئن کر دیتے ہیں کہ تمہارے لئے خوف کا کوئی موقع نہیں کہ تمہارا مستقبل نہایت شاندار ہے اور دنیا کے چھوٹ جانے کا غم بھی ، تمہیں لاحق نہیں ہوسکتا کہ تم منزلِ مقصود کو پہنچ رہے ہو ۔ خوش ہو جاؤ کہ ہم تمہارے لئے جنت کا مژدۂ جانفزا لے کر آئے ہیں ۔

اس آیت میں موت کے وقت کی جھلک دکھائی گئی ہے وہ اہل ایمان کے لئے بڑی ہی روح پرور ہے!

۴۶ ۔ صالح مؤمنوں کی روح قبض کرتے ہوئے فرشتے اپنا تعارف اس طرح کراتے ہیں کہ ہم دنیا میں بھی تمہارے دوست تھے یہ اور بات ہے کہ تم ہمیں دیکھ نہ سکتے تھے اور آخرت میں بھی تمہارے دوست ہیں، لہٰذا تمہارے لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اطمینان رکھو کہ تم اپنے دوستوں کے درمیان ہی ہو۔

دنیا میں مؤمنین صالحین کے دوست فرشتے ہوتے ہیں، جب کہ کافروں اور فاسقوں کے دوست شیطان ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی صالح مؤمنوں کے ساتھ دوستی بڑی خیر و برکت کا باعث ہوتی ہے۔ وہ ان کے لئے دعائے رحمت تو کرتے ہی ہیں۔ علاوہ ازیں نازک لمحات میں خاص طور سے حق و باطل کی کشمکش کے موقع پر جب کہ قدموں کے ڈگمگا جانے کا خطرہ ہوتا ہے اللہ کے اذن سے وہ ان کی ڈھارس بندھانے کا کام کرتے ہیں تا کہ وہ ثابت قدم رہیں۔ (دیکھئے سورۂ انفال آیت ۱۲ نوٹ ۱۹) اور حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص قضائے شرعی کے عہدے پر اس کا طلب کے بغیر مامور کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو بھیج دیتا ہے جو اسے راہ صواب (صحیح راہ) دکھاتا ہے۔ (ترمذی ابواب الاحکام) اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اللہ کا ذکر کرنے والوں کے گرد فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ (ترمذی ابواب الدعوات) اور آخرت میں فرشتے اہل ایمان کا سلام سے خیر مقدم کریں گے ان سے بالمشافہ گفتگو کریں گے اور جنت میں ان کی رفاقت ان کو حاصل ہو گی۔

۴۷ ۔ جنت کی اس نمایاں خصوصیت سے اس کی شان کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ گوہر مقصود جس کو حاصل ہوا اس کی تمام خواہشیں پوری ہو گئیں، اس کی ہر امید بر آئی اور ہر آرزو پوری ہوئی۔ انسان میں فطری طور سے یہ داعیہ پایا جاتا ہے کہ جو چیز وہ چاہتا ہے وہ اسے ملے اور اس کی آرزوئیں پوری ہوں۔ مگر دنیا میں ایسا کوئی شخص نہیں جس کی ہر خواہش اور ہر تمنا پوری ہوتی ہو۔ اگر آدمی کے پاس دولت کا ڈھیر لگا ہوا ہو یا کسی بڑی سلطنت کا مالک ہو تب بھی اس کو وہ سب کچھ نہیں ملتا جو وہ چاہتا ہے۔ کبھی اسے بیماری پریشان کرتی ہے تو کبھی کسی عزیز کے مرنے کا غم اور کبھی جنگ کا خطرہ۔ معلوم ہوا کہ یہ دنیا ہرگز وہ مقام نہیں ہے جہاں انسان کی ہر خواہش اور ہر آرزو پوری ہو سکے۔ اگر ایسا ہوتا تو یہ دنیا ہی جنت بن جاتی لیکن اللہ تعالیٰ نے انسان کے اس داعیہ کے پورا کرنے کا سامان آخرت میں کیا ہے یعنی جنت جہاں اس کی یہ فطری طلب بدرجۂ اتم پوری ہو گی۔

انسان کا یہ فطری داعیہ کہ اس کی تمام خواہشیں پوری ہوں جنت کی طلب اپنے اندر رکھتا ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن جس جنت کا وعدہ اہل ایمان سے کرتا ہے اس کی طلب انسان کی فطرت میں موجود ہے لہٰذا منکرین کا جنت کے بارے میں یہ پھبتی چست کرنا کہ دل کے بہلانے کے لئے یہ خیال اچھا ہے سراسر جہالت ہے۔ اگر وہ اپنی فطرت کی مانگ پر غور کرے اور جنت کو قرآن کی روشنی میں دیکھے تو انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو گا۔

واضح رہے کہ جنت میں جانے والے لوگ نیک صفت اور پاکیزہ خیالات رکھنے والے ہوں گے اس لئے بری خواہش، نامناسب طلب اور لغو باتوں کا وہاں کوئی وجود ہی نہیں ہو گا۔ پھر وہاں محض لذتِ دہن کا سامان نہیں ہو گا بلکہ اس کے ساتھ جو چیز بھی وہاں طلب کی جائے گی وہ مہیا ہو جائے گی اس لئے وہاں روحانی غذا کا بھی بھرپور سامان ہو گا۔

۴۸ ۔ یعنی اہل ایمان کو جنت کی یہ نعمتیں اس اعزاز و اکرام کے ساتھ پیش کی جائے گی کہ وہ گویا شاہی مہمان ہیں جن کی ضیافت کیلئے جنت کا دستر خوان بچھا دیا گیا ہے اور یہ جنت اللہ کی صفتِ مغفرت و رحمت کا مظہر ہو گی۔

جنت کے اس تصور میں جو روحانی حلاوت اور جو کیف و سرور ہے اس کو وہی لوگ محسوس کر سکتے ہیں جو ایمان کی لذت سے آشنا ہیں۔

۴۹ ۔ یہ ان ہی لوگوں کا وصف بیان ہو رہا ہے جنہوں نے ایمان لا کر استقامت اختیار کی وہ حق و باطل کی کشمکش سے گھبراتے نہیں بلکہ کھلے بندوں اللہ

کی طرف دعوت دیتے ہیں، خود نیک عمل کرتے ہیں اور اپنے مسلم (مسلمان) ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔
دنیا میں بہ کثرت لوگ اپنے اپنے عقیدہ و مذہب کی طرف دوسروں کو بلاتے ہیں نیز مادہ پرستانہ اور دنیا پرستانہ تصورات کے تحت تحریکیں چلاتے ہیں لیکن دعوتِ الی اللہ کے مقابلہ میں یہ سب دعوتیں اور تحریکیں بے حقیقت اور بے وزن ہیں۔ اللہ کی طرف دعوت یعنی اسلام کی طرف لوگوں کو بلانا وہ بہترین بات ہے جس سے بہتر بات کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس لئے بڑے خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اللہ کی طرف دعوت دینے کے لئے اس حال میں اٹھ کھڑے ہوں کہ اپنے کردار کو انہوں نے سنوار لیا ہو یعنی جن کا کام محض الفاظ بکھیرنا نہیں بلکہ اپنی اصلاح کے ساتھ دوسروں کی اصلاح کرنا ہے۔ ساتھ ہی وہ اپنے مسلم ہونے کا اظہار و اعلان کرتے ہوں۔
واضح ہوا کہ اپنے مسلمان ہونے کی حیثیت کو چھپانا صحیح نہیں بلکہ اس کو ظاہر کرتے رہنا چاہئے۔ تاکہ اپنی واقعی حیثیت کا اظہار بھی ہو اور دوسروں کو بھی مسلمان بننے کی ترغیب ہو۔ مگر موجودہ دور میں بکثرت مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ محض دنیوی مصلحتوں کی خاطر یا جدید تہذیب سے مرعوبیت کے نتیجہ میں اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ان کے مسلمان ہونے کا اظہار ہو، چنانچہ نہ ان کے نام سے ان کے مسلمان ہونے کی شناخت ہوتی ہے اور نہ ان کی وضع قطع سے اور نہ ان کی باتوں سے۔ اگر وہ واقعی اسلام کو حق سمجھتے ہیں تو ان میں یہ اخلاقی جرأت کیوں نہیں ہے کہ وہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کی نظر میں اپنے کو مشتبہ نہ بنالیں بلکہ برملا اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کریں۔
۵۰۔ یعنی بھلائی اور برائی اپنے اثرات و نتائج کے اعتبار سے یکساں نہیں۔ اور جو شخص لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے اور ان کی اصلاح کے لئے اٹھ کھڑا ہو اس کو اس بات کا بہت زیادہ خیال رکھنا چاہئے کہ نیکی بدی کو دور کرنے کا ذریعہ ہے۔ جو لوگ برا سلوک کریں ان کے ساتھ بھی وہ اچھا سلوک کرے۔ گالیوں کا جواب گالیوں سے نہیں بلکہ دعاؤں سے دے کہ نجاست کو نجاست کے ذریعہ نہیں بلکہ پاک پانی ہی کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے۔
۵۱۔ اس کی بہترین مثالیں انبیاء اور صالحین کی سیرتوں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ حضرت یوسف نے کس طرح ان لوگوں کے دل جیت لئے جنہوں نے ان کے ساتھ بُرا سلوک کیا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی پشت پر آپ کی زبردست اخلاقی قوت تھی جس نے ان لوگوں کو بھی آپ کا دوست بنادیا جو آپ کے خون کے پیاسے تھے۔
۵۲۔ یعنی بُرائی کو بھلائی سے دور کرنے کا کام بڑا صبر آزما ہوتا ہے، اس لئے جو لوگ صبر و تحمل سے کام لینا چاہتے ہیں ان ہی کو اللہ تعالیٰ اس کی توفیق دیتا ہے اور جن کو یہ سمجھ ملتی ہے وہ بڑے خوش قسمت لوگ ہوتے ہیں کیوں کہ آخرت ان کا مقصود اور اللہ کی رضا کا حصول ان کی کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے۔
۵۳۔ یعنی مخالفین کی شر انگیز باتوں کا اثر قبول کرنے کے لئے شیطان تمہارے اندر اکساہٹ پیدا کرسکتا ہے مگر تمہیں ایسے موقع پر چوکنا رہنا چاہئے اور جوں ہی تم اپنے اندر کوئی اشتعال محسوس کرو اللہ کی پناہ مانگو، وہ تمہیں شیطان کی اشتعال انگیزی اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ وہ سننے والا ہے اس لئے تمہاری دعا سن لے گا اور وہ جاننے والا ہے اس لئے اسے معلوم ہے کہ کون شر سے بچنا چاہتا ہے۔
اس آیت کا ایک عمومی پہلو بھی ہے جس کی طرف حدیث میں متوجہ کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ آدمی جب کبھی اپنے کو غصہ کی حالت میں پائے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (میں شیطان مردود سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں) کہے۔ (بخاری کتاب الادب)
۵۴۔ اب اس بات کی طرف متوجہ کیا جارہا ہے کہ توحید کی نشانیاں اس کائنات میں بالکل نمایاں ہیں یہ رات اور دن اور یہ سورج اور چاند سب خدائے واحد کے وجود، اس کی قدرتِ کاملہ، اس کے اقتدارِ اعلیٰ اور اس کے رب کائنات ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اپنے خدا ہونے پر دلالت کرتی ہو۔

۵۵۔ یعنی سجدہ کا مستحق خالق ہے نہ کہ مخلوق۔ سورج، چاند ستارے سب بے اختیار مخلوق ہیں اس لئے ان کو سجدہ کرنا ایک بے معنی بات ہے اور جو ایسا کرتا ہے وہ خالق کے حق میں مخلوق کو شریک کرتا ہے اور یہ سب سے بڑی ناانصافی ہے۔

سورج کے پجاری قدیم زمانہ میں بھی بہ کثرت رہے ہیں اور موجودہ زمانہ میں بھی بہ کثرت ہیں۔ خود ہمارے ملک میں سورج کو پوجنے والوں اور اس کے آگے جھکنے والوں کی کمی نہیں مگر یہ سراسر جہالت اور صریح گمراہی ہے۔

سجدہ عبادت کی اعلیٰ شکل ہے اس لئے وہ اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے، اس لئے فرمایا کہ اگر تم اللہ ہی کی عبادت کرنے والے ہو تو اسی کو سجدہ کرو۔ اس کے سوا کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کیلئے سجدہ کرنا روا ہو۔ کیوں کہ سب مخلوق ہیں خواہ سورج اور چاند ہوں خواہ کوئی انسان۔

یہ آیت اس بارے میں قطعی ہے کہ کسی بھی مخلوق کو سجدہ کرنا حرام ہے اس لئے مذہبی پیشواؤں، بزرگوں اور اولیاء کی قبروں کو سجدہ کرنے کے لئے ہرگز وجہِ جواز نہیں ہے۔

رہا سجدۂ تعظیمی جو عبادت کے طور پر نہیں بلکہ تعظیم کے طور پر کیا جاتا ہے تو اسلام کی تکمیلی شریعت اس کی بھی اجازت نہیں دیتی۔ اگر کسی بزرگ شخصیت کو سجدہ کرنا روا ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی شخصیت کس کی ہو سکتی تھی۔ مگر آپ نے اس بات سے منع فرمایا کہ کوئی آپ کا سجدہ کرے۔ (ترمذی ابواب النکاح)

اس لئے صحابہ کرام آپ کو نہ تعظیمی سجدہ کرتے تھے اور نہ آپ کے لئے جھکتے تھے۔

واضح رہے کہ حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا جو حکم فرشتوں اور ابلیس کو دیا گیا تھا اس کی نوعیت بالکل مختلف تھی۔ یعنی وہ عبادت کے طور پر نہیں تھا اور نہ کسی ایسی تعظیم کے لئے تھا جس سے شرک کی راہ کھلتی ہو بلکہ یہ ایک مخصوص حکم تھا جس کے پیچھے عظیم مصلحت کارفرما تھی۔ (تشریح کے لئے ملاحظہ ہو سورۂ بقرہ نوٹ ۴۷۔)

اگر ہم اس کو عجمی قرآن بنا کر اُتارتے تو یہ لوگ کہتے کیوں نہ
اس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئیں؟ کلام عجمی اور مخاطب عربی!
کہو یہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے۔اور
جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرا پن ہے اور
وہ (قرآن) ان کی آنکھوں کے لئے حجاب ہے۔(گویا) ان
لوگوں کو دور کی جگہ سے پکارا جا رہا ہے۔(القرآن)

فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَالَّذِينَ عِندَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ
وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْأَمُونَ ۩ ﴿٣٨﴾

۳۸ لیکن اگر یہ تکبر کرتے ہیں تو (ان پر واضح رہے کہ) جو فرشتے اس کے حضور ہیں، وہ رات دن اس کی تسبیح کرتے ہیں اور کبھی نہیں تھکتے۔ ۵۶؎۔

وَمِنْ آيَاتِهِ أَنَّكَ تَرَى الْأَرْضَ خَاشِعَةً فَإِذَا أَنزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ
اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ ۚ إِنَّ الَّذِي أَحْيَاهَا لَمُحْيِي الْمَوْتَىٰ ۚ
إِنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٣٩﴾

۳۹ اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین خشک پڑی ہے، پھر جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو وہ حرکت میں آجاتی ہے اور پھول جاتی ہے۔ بلاشبہ جس نے اس کو زندہ کیا وہ مُردوں کو بھی زندہ کرنے والا ہے ۵۷؎۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا ۗ أَفَمَن يُلْقَىٰ
فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ ۖ إِنَّهُ
بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٤٠﴾

۴۰ جو لوگ ہماری آیتوں میں ٹیڑھ نکالتے ہیں ۵۸؎، وہ ہم سے چھپے ہوئے نہیں ہیں ۵۹؎۔ کیا وہ شخص بہتر ہے جو آگ میں ڈالا جائے گا یا وہ جو قیامت کے دن امن کی حالت میں آئے گا؟ تم جو چاہو کرو ۶۰؎۔ اور تم جو کچھ کرتے ہوُ اسے وہ دیکھ رہا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ ۖ وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ﴿٤١﴾

۴۱ جن لوگوں نے یاددہانی کا انکار کیا جب کہ ان کے پاس آئی، وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ یہ ایک زبردست کتاب ہے ۶۱؎۔

لَّا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنزِيلٌ مِّنْ
حَكِيمٍ حَمِيدٍ ﴿٤٢﴾

۴۲ باطل اس میں نہ اس کے سامنے سے داخل ہو سکتا ہے اور نہ اس کے پیچھے سے ۶۲؎۔ یہ اس ہستی کی طرف سے نازل ہوئی ہے جو حکمت والی اور خوبیوں والی ہے۔

مَّا يُقَالُ لَكَ إِلَّا مَا قَدْ قِيلَ لِلرُّسُلِ مِن قَبْلِكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ
لَذُو مَغْفِرَةٍ وَذُو عِقَابٍ أَلِيمٍ ﴿٤٣﴾

۴۳ (اے نبی!) تم سے وہی باتیں کہی جا رہی ہیں جو تم سے پہلے گزرے ہوئے رسولوں سے کہی جا چکی ہیں ۶۳؎۔ بے شک تمہارا رب بڑا معاف کرنے والا بھی ہے اور دردناک سزا دینے والا بھی۔

وَلَوْ جَعَلْنَاهُ قُرْآنًا أَعْجَمِيًّا لَّقَالُوا لَوْلَا فُصِّلَتْ آيَاتُهُ ۖ
أَأَعْجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ ۗ قُلْ هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ۖ
وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ فِي آذَانِهِمْ وَقْرٌ وَهُوَ عَلَيْهِمْ عَمًى ۚ أُولَٰئِكَ
يُنَادَوْنَ مِن مَّكَانٍ بَعِيدٍ ﴿٤٤﴾

۴۴ اگر ہم اس کو عجمی قرآن بنا کر اتارتے تو یہ لوگ کہتے کیوں نہ اس کی آیتیں کھول کر بیان کی گئیں؟ کلام عجمی اور مخاطب عربی ۶۴؎! کہو یہ ایمان لانے والوں کے لئے ہدایت اور شفاء ہے ۶۵؎۔ اور جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کے کانوں میں بہرا پن ہے اور وہ (قرآن) ان کی آنکھوں کے لئے حجاب ہے ۶۶؎۔ (گویا) ان لوگوں کو دور کی جگہ سے پکارا جا رہا ہے ۶۷؎۔

۵۶۔ یہ آیت آیتِ سجدہ ہے اس لئے اس کی تلاوت پر سجدہ کرنا چاہئے۔
یعنی اگر یہ مشرکین اللہ کے اس حکم کے مقابلہ میں کہ صرف اللہ ہی کو سجدہ کرو تکبر کرتے ہیں تو کریں اور اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالیں۔اس سے اس کی شان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔اس کی شان تو یہ ہے کہ اس کے حضور فرشتے ہر وقت تسبیح میں مشغول رہتے ہیں اور مسلسل تسبیح کرتے رہنے سے ان کو کوئی تکان لاحق نہیں ہوتی۔جس طرح انسان سانس لیتے ہوئے نہیں تھکتا اسی طرح فرشتے تسبیح کرتے ہوئے نہیں تھکتے۔

۵۷۔ یہ قیامت کے دن دوبارہ زندہ کئے جانے پر استدلال ہے تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ روم نوٹ ۸۳۔

۵۸۔ اللہ کی آیتوں میں ٹیڑھ نکالنے کا مطلب ان کو الٹے معنی پہنانا، صحیح رُخ سے انہیں پھیرنا، ان کے مفہوم میں شکوک پیدا کرنا اور ان پر اعتراضات وارد کرنا ہے۔

۵۹۔ یعنی ان کے دل کا حال اللہ کو معلوم ہے۔

۶۰۔ یہ تنبیہ ہے کہ اگر نصیحت کی ان باتوں کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہو تو پھر جو چاہو کر گزرو۔اپنی ہلاکت کے آپ ذمہ دار ہوں گے۔

۶۱۔ یعنی اس کتاب کا انکار کرنے والوں نے اس کو ایک غیر اہم کتاب خیال کیا اور وقعت کی نظر سے نہیں دیکھا، حالانکہ یہ کوئی معمولی کتاب نہیں ہے بلکہ ایک زبردست کتاب ہے جو اپنی حجتِ بالغہ، اپنے حقیقت افروز بیان، اپنی تاثیر کلام اور وجدان سے اپیل کرنے والی باتوں کے ذریعہ انسان کی کایا پلٹ دیتی ہے اور کچھ ہی عرصہ بعد دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ ایسی طاقتور کتاب ہے کہ اس نے کتنی ہی قوموں کو مسخر کیا اور کتنے ہی ملکوں پر فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

۶۲۔ اس کتاب میں سامنے سے باطل کے داخل نہ ہو سکنے کا مطلب یہ ہے کہ شیطان، جن، انسان کوئی بھی اس پر قادر نہیں ہے کہ اس میں کوئی لفظی تغیر کریں۔وہ قیامت تک لفظاً لفظاً محفوظ رہنے والی کتاب ہے۔اور پیچھے سے اس میں باطل کے داخل نہ ہو سکنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کا نظم ایسا ہے کہ وہ کسی بھی معنوی تحریف کو قبول نہیں کرتا۔اس کی آیتوں کو ان کے اصل معنی سے ہٹانے کی لاکھ کوشش کی جائے وہ اپنے مفہوم اور مدعا میں بالکل واضح ہیں، چور دروازے سے باطل عقائد و نظریات کو اس میں داخل کرنے کیلئے کتنا ہی زور لگایا جائے اس میں ہرگز کامیابی ہونے والی نہیں کیوں کہ اس کی ہر آیت اپنے مفہوم میں بالکل واضح اور اٹل ہے۔

۶۳۔ یعنی جس طرح گزرے ہوئے رسولوں کو ساحر، مجنوں وغیرہ کہا گیا تھا اسی طرح تمہارے بارے میں بھی اے پیغمبر اسی طرح کی باتیں کہی جارہی ہیں۔

۶۴۔ یہ کافروں کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ قرآن عربی زبان ہی میں کیوں نازل ہوا عجمی یعنی غیر عربی زبان میں کیوں نازل نہ ہوا، جب کہ تورات عبرانی زبان میں نازل ہوئی تھی۔اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ اگر قرآن کو کسی غیر عربی زبان میں نازل کیا جاتا تو یہی لوگ اعتراض کرتے کہ ہماری اپنی زبان میں کیوں نہیں نازل کیا گیا کہ اس کی آیتوں کا مفہوم ہم پر واضح ہوتا۔یہ عجیب بات ہے کہ کلام عجمی ہے جب کہ مخاطب قوم کی زبان عربی ہے۔مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کو ماننا نہیں ہے وہ ہر صورت میں اعتراض کرتے ہیں۔

آیت سے یہ اشارہ بھی نکلتا ہے کہ عربی زبان وحی الٰہی کے معنی و مفہوم کو ادا کرنے کے لحاظ سے موزوں ترین زبان ہے جو لوگ عربی زبان سے آشنا ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ زبان امتیازی خصوصیات کی حامل ہے مثلاً یہ کہ وہ ایک سسٹمیٹک زبان ہے جس میں فعل، اسم فاعل، اسم مفعول وغیرہ کو ایک خاص سانچے (صیغے) میں ڈھالا جاتا ہے۔اس کی نحوی ترکیبوں میں بڑی باقاعدگی ہوتی ہے۔اس کے بیشتر الفاظ اپنے ابتدائی اور اصل معنی (Root Word)

کی طرف اشارہ کرتے ہیں جس سے ان کے صحیح مفہوم کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔وہ حقائق ومعارف کو ادا کرنے کی بہترین صلاحیت رکھتی ہے اس لئے وحی الٰہی کی لطافتوں اوراس کے معنی کی گہرائیوں کو بیان کرنے کی وہ پوری طرح متحمل ہے۔اس میں جامع کلمات کہے جاسکتے ہیں اور مؤثر کلام پیش کیا جاسکتا ہے۔حفظ کے پہلو سے یہ نہایت موزوں ترین زبان ہے اس لئے نزول قرآن کیلئے ایک بہترین اور موزوں ترین زبان کا انتخاب ہوا ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ آخری رسول کی بعثت کے لئے مکہ کی مقدس سرزمین کا انتخاب ہوا۔

۶۵۔ تشریح کے لئے دیکھئے سورۂ یونس نوٹ ۸۸۔

۶۶۔ یعنی جو لوگ قرآن پر ایمان لانے سے انکار کرتے ہیں وہ قرآن کی نصیحت کو سننے کے لئے بہرے اور اس کی رہنمائی کو دیکھنے کیلئے اندھے ہوجاتے ہیں وہ جہالت کی جس بیماری میں مبتلا ہیں اس کے لئے قرآن نسخۂ شفا ہے مگر جب وہ اس سے شفا حاصل کرنا ہی نہیں چاہتے تو جہالت اپنا اثر دکھا کر رہے گی۔

۶۷۔ یعنی ان کا حال یہ ہے کہ انہیں کوئی دور سے پکار رہا ہو جس کی آواز انہیں سنائی نہ دیتی ہو۔قرآن کی آواز دل لگتی آواز ہے مگر ان کے لئے دور کی آواز بن گئی ہے۔

جو نیک عمل کرے گا تو اپنے ہی لئے کرے گا اور جو برائی
کرے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑے گا۔ تمہارا رب
بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے۔ (القرآن)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۴۵﴾

۴۵ ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی تھی تو اس میں اختلاف کیا گیا۔ ۶۸ ؎ اگر تمہارے رب کی طرف سے ایک بات پہلے سے طے نہ ہو چکی ہوتی تو ان کے درمیان فیصلہ چکا دیا گیا ہوتا ۶۹ ؎۔ اور یہ لوگ اس کی طرف سے شک میں پڑے ہوئے ہیں جس نے انہیں الجھن میں ڈال دیا ہے۔ ۷۰ ؎

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۴۶﴾

۴۶ جو نیک عمل کرے گا تو اپنے ہی لئے کرے گا اور جو برائی کرے گا تو اس کا وبال بھی اسی پر پڑے گا ۷۱ ؎۔ تمہارا رب بندوں پر ہرگز ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ؕ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ اَيْنَ شُرَكَآءِيْ ۙ قَالُوْٓا اٰذَنّٰكَ ۙ مَا مِنَّا مِنْ شَهِيْدٍ ﴿۴۷﴾

۴۷ قیامت کی گھڑی کا علم اسی کی طرف لوٹتا ہے ۷۲ ؎۔ کوئی پھل اپنے غلاف (شگوفہ) سے باہر نہیں نکلتا اور نہ کوئی عورت حاملہ ہوتی اور جنتی ہے مگر اس کے علم میں ہوتا ہے ۷۳ ؎۔ اور جس دن وہ ان کو پکارے گا کہ کہاں ہیں میرے شریک ۷۴ ؎؟ وہ کہیں گے ہم عرض کر چکے ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی اس کی گواہی دینے والا نہیں ہے۔ ۷۵ ؎

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَدْعُوْنَ مِنْ قَبْلُ وَظَنُّوْا مَا لَهُمْ مِّنْ مَّحِيْصٍ ﴿۴۸﴾

۴۸ وہ اس سے پہلے جن کو پکارتے رہے ہیں وہ سب ان سے گم ہو جائیں گے ۷۶ ؎۔ اور وہ جان لیں گے کہ ان کیلئے اب کوئی پناہ کی جگہ نہیں ہے۔

لَا يَسْـَٔمُ الْاِنْسَانُ مِنْ دُعَآءِ الْخَيْرِ ؗ وَاِنْ مَّسَّهُ الشَّرُّ فَيَـُٔوْسٌ قَنُوْطٌ ﴿۴۹﴾

۴۹ انسان بھلائی کی دعا مانگنے سے نہیں تھکتا اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچ جاتی ہے تو مایوس و دل شکستہ ہو جاتا ہے۔ ۷۷ ؎

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ رَحْمَةً مِّنَّا مِنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ هٰذَا لِيْ ۙ وَمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّلَئِنْ رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّيْٓ اِنَّ لِيْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى ۚ فَلَنُنَبِّئَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِمَا عَمِلُوْا ۫ وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۰﴾

۵۰ اور اگر اس تکلیف کے بعد جو اسے پہنچتی ہے ہم اسے اپنی رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو کہتا ہے میں تو اسی کا مستحق ہوں اور میں نہیں سمجھتا کی قیامت قائم ہو گی اور اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا ہی گیا تو میرے لئے اُس کے پاس بھی خوشحالی ہی ہے ۷۸ ؎۔ تو ہم ان کافروں کو ضرور بتائیں گے کہ انہوں نے کیا اعمال کئے ہیں اور انہیں ہم لازماً سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ ﴿۵۱﴾

۵۱ انسان کو جب ہم نعمت سے نوازتے ہیں تو وہ منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو بچا کر چلتا ہے۔ اور جب تکلیف پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے ۷۹ ؎۔

۶۸ ۔ حضرت موسیٰ کو تورات عطا ہوئی تھی جو سر تا سر کتاب ہدایت تھی لیکن بعد میں بنی اسرائیل کے ان علماء نے جو دنیا پرستی اور باہمی عناد میں مبتلا ہو گئے تھے اس میں طرح طرح کے اختلافات پیدا کئے۔ جب انہوں نے تورات کی آیتوں کی غلط تاویلیں کرنا شروع کیں تو نوبت الفاظ کی تحریف تک پہنچ گئی۔ پھر انہوں نے تذکیر اور خاص طور سے آخرت کی جزاوسزا سے متعلق یاددہانی کو تورات کے صفحات سے غائب کر دیا اور اپنی طرف سے اس میں بہت سے اضافے کئے مثلاً اس میں اپنی بدعات کو داخل کیا، فقہی موشگافیوں کو اس میں جگہ دی اور اپنی یادداشت سے صحیح غلط تاریخی واقعات بھی اس میں نقل کر ڈالے یہاں تک کہ واہیات قصے اور انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں کو داغ دار بنانے والی باتیں بھی۔ ان کے یہی اختلافات ہیں جن کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

۶۹ ۔ یعنی بنی اسرائیل کی یہ حرکت تو ایسی تھی کہ اس کا دوٹوک فیصلہ دنیا ہی میں چکا یا جا سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے تمام مذہبی اختلافات کے آخری فیصلہ کے لئے قیامت کا دن مقرر کیا ہے۔ اس روز عدالتِ خداوندی ان تمام امور کا فیصلہ چکا دے گی۔

۷۰ ۔ یعنی تورات میں اہل کتاب نے لفظی اور معنوی تحریف کر کے جو اختلافات پیدا کئے اس کی وجہ سے وہ خود اپنی اس کتاب ہی کے بارے میں شکوک وشبہات میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ معلوم نہیں بات کیا تھی اور کیا بیان ہوئی ہے۔ کتنی ہی اختلافی باتیں ہیں جن کے بارے میں وہ یقین اور اعتماد کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتے اور اس بنا پر وہ سخت الجھن میں پڑ گئے ہیں۔

۷۱ ۔ یہ اور اس طرح کی دوسری بہ کثرت آیات آخرت کی جزاوسزا کے بارے میں اس قاعدۂ کلیہ کو پیش کرتی ہیں کہ نیکی کا اجر اسی شخص کو ملے گا جس نے نیکی کی ہوگی اور برائی کی سزا بھی وہی شخص پائے گا جس نے برائی کی ہوگی۔ ایسا نہیں ہوگا کہ کسی کی نیکی یا برائی دوسرے کے کھاتہ میں جمع کر لی جائے۔ ہر شخص اپنے کئے کا ذمہ دار ہے اور اسی کے مطابق اس کو جزا یا سزا پانا ہے۔ جزائے عمل کے سلسلہ میں یہ نہایت اہم اصول ہے جس کو قرآن نے جا بجا وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس سے ایصال ثواب کے اس طریقہ کی تردید ہوتی ہے جو عام طور سے مسلمانوں میں رائج ہے۔ ایک شخص نیکی کا کوئی کام کرتا ہے اور اس کا ثواب اپنے کسی عزیز یا کسی بزرگ کو بخش دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں فلاں اور فلاں شخص کو جو وفات پا چکا ہے اور جس سے مجھے تعلق خاطر ہے یا جس بزرگ کا میں عقیدت مند ہوں اسے ثواب پہنچا رہا ہوں۔ اس تصور کے تحت مرنے والوں کے لئے قرآن خوانی کی جاتی ہے، تیجا، چہلم وغیرہ کی رسمیں ادا کی جاتی ہیں۔ نیاز اور فاتحہ خوانی ہوتی ہے ''گیارہویں شریف'' کا اہتمام کیا جاتا ہے، دیگیں چڑھائی جاتی ہیں اور نفیس کھانے پکوا کر ان کا ثواب کسی ولی یا پیر کو بخشا جاتا ہے۔ یہ کھانے خود بھی کھاتے ہیں اور اپنے احباب وغیرہ کو بھی کھلاتے ہیں۔ مُردوں کی طرف سے صدقہ و خیرات بھی کرتے ہیں اور مدرسے اور اسپتال وغیرہ بنوا کر ان کے نام سے وقف بھی کر دیتے ہیں تاکہ خیر کے ان کاموں کا ثواب ان کو ملتا رہے۔ غرضیکہ ایصال ثواب کے تصور نے شریعتِ اسلامیہ پر حاشیہ آرائی کا کام کیا ہے اس لئے اس پر گرفت ضروری ہے۔ ہم یہاں اختصار کے ساتھ چند باتیں پیش کریں گے۔

۱) ایصال ثواب کی تائید میں قرآن کی کوئی آیت بھی نہیں پیش کی جا سکتی بلکہ بہ کثرت آیات سے جن میں جزاوسزا کے اصول کو پیش کیا گیا ہے اس کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً یہ کہ:

وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ۔ (آل عمران: ۲۵)

''ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔''

مگر ایصال ثواب کی صورت میں ایک شخص کے عمل کا ثواب دوسرے کو منتقل ہوا تو اسے اپنے عمل کو پورا پورا بدلہ کہاں ملا؟

لَیۡسَ لِلۡاِنۡسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی (النجم:۳۹) ''انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش کی ہوگی۔''

مگر ایصال ثواب کی صورت میں انسان نے جو عمل خیر نہیں کیا اس کا ثواب بھی اسے مل جاتا ہے۔

۲) ثواب تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعام ہے جو قیامت کے دن اعمال صالحہ کے بدلہ میں ملے گا جب کہ وہ اللہ کی نظر میں مقبول قرار پائیں گے لیکن جو لوگ ایصالِ ثواب کے قائل ہیں وہ پیشگی ثواب کو اپنا حق قرار دے کر دوسروں کو بخش دیتے ہیں۔ جب کہ ہمیں قطعی طور سے یہی نہیں معلوم کہ ہمارے فلاں عمل پر اللہ کی طرف سے اجر دینے کا فیصلہ ہو گیا ہے اور وہ ہمارے کھاتے میں جمع ہو گیا لہٰذا ہم یہ پیشگی فیصلہ کیسے کر سکتے ہیں کہ اس اجر کو دوسرے کے کھاتے میں منتقل کر دیں؟

۳) اجر (محنت کا پھل) اور ثواب (جزائے خیر) کسی عمل کے نتیجہ میں اللہ کی طرف سے ملنے والا انعام ہے اسلئے یہ ایک نا قابل انتقال شئے ہے۔ کوئی شخص نہ اپنی نیکی کا پارسل کسی کو بھیج سکتا ہے اور نہ اپنی بدی کا۔ جس طرح برائی کا وبال کسی کو بخشا نہیں جا سکتا اسی طرح نیکی کا ثواب بھی کسی کو بخشا نہیں جا سکتا۔

۴) کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں ایصال ثواب کی ترغیب دی گئی ہو اور جن روایتوں کو ایصالِ ثواب کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے ان سے ایصالِ ثواب ثابت نہیں ہوتا بلکہ زیادہ سے زیادہ جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص پر حج فرض ہوا تھا اور وہ اس فرض کو ادا کرنے کا ارادہ رکھتا تھا لیکن اس سے پہلے اس کی موت واقع ہو گئی یا کوئی شخص بڑھاپے وغیرہ کی وجہ سے فریضۂ حج ادا نہیں کر سکتا اور اس کے قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی شخص اس کی طرف سے نیابۃً حج کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے۔ نیابت کا مفہوم عَن کے حروف سے بالکل واضح ہے جو اس تعلق سے حدیث میں آیا ہے۔ آپ نے فرمایا:

حُجِّی عَنۡهَا ''تم اس کی طرف سے حج کرو۔'' (بخاری ابواب العمرۃ)

اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے حجۃ الوداع کے موقع پر آپ سے پوچھا:

یارسولَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِیۡضَةَ اللّٰهِ عَلٰی عِبَادِهٖ فِی الۡحَجِّ اَدۡرَکَتۡ اَبِیۡ شَیۡخاً کَبِیۡرًا لَا یَسۡتَطِیۡعُ اَنۡ یَسۡتَوِیَ عَلَی الرَّاحِلَةِ فَهَلۡ یَقۡضِیۡ عَنۡهُ اِنۡ اَحُجَّ عَنۡهُ؟ قَالَ نَعَمۡ۔ (بخاری ابواب العمرۃ)

''اے اللہ کے رسول! اللہ نے اپنے بندوں پر حج کا جو فریضہ عائد کیا ہے وہ میرے والد پر فرض ہو گیا ہے اور وہ بہت بوڑھے ہو گئے ہیں سواری پر بھی سیدھے بیٹھ نہیں سکتے تو اگر میں اس کی طرف سے حج کروں تو اس کی طرف سے ادا ہو جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں۔''

ظاہر ہے یہ نیابت ہے اور نیابت فریضۂ حج کو ادا کرنے کے سلسلہ میں معذوری کی صورت میں ہے اور یہ ایک مشروط اجازت ہے اس میں ایصالِ ثواب کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے کیوں کہ حدیث میں کہیں یہ نہیں کہا گیا ہے کہ حج کرو اور اس کا ثواب بخشو۔ اور نہ کسی سوال کرنے والے نے یہ سوال کیا تھا کہ میں فلاں کے لئے حج کروں یا حج کر کے فلاں کو ثواب بخش دوں۔

نیابۃً حج کرنے کے سلسلے میں امام مالک کی رائے یہ ہے کہ یہ اسی صورت میں کیا جائے کہ مرنے والے نے وصیت کی ہو۔ اگر اس نے وصیت نہیں کی تھی تو اس کی طرف سے حج نہ کیا جائے۔ (فقہ السنۃ ج ۱ ص ۶۳۷) اور یہی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیوں کہ وصیت کی صورت میں مرنے والے کی نیت کا بھی اظہار ہوتا ہے اور اس کے مال میں سے حج پر خرچ کرنے کی کوئی صورت بھی نکل آتی ہے۔

دوسری روایتیں جو ایصال ثواب کی تائید میں پیش کی جاتی ہیں ان میں سے بعض تو اس مفہوم میں ہیں کہ اگر کسی شخص نے کسی کارِ خیر کی وصیت کی تھی تو

اس کے ورثاء اس کو پورا کریں کیوں کہ مرنے والے کو اپنے مال میں ایک تہائی کی حد تک وصیت کرنے کا حق ہے اور بعض روایتیں اسناد کے اعتبار سے صحیح نہیں ہیں اور جو روایت قرآن کے بیان کردہ قاعدۂ کلیہ کے خلاف ہو وہ ہرگز قابل حجت نہیں ہوسکتی۔

۵) ایصال ثواب کا طریقہ صحابۂ کرام میں رائج نہیں تھا چنانچہ شہدائے احد کے لئے نہ قرآن خوانی کی گئی اور نہ نیاز و فاتحہ۔

۶) ایصالِ ثواب کو دعا پر قیاس کرنا بھی صحیح نہیں، اس لئے کہ دعا اللہ تعالیٰ سے کسی بندہ کے حق میں مغفرت کی درخواست ہے نہ کہ اس کے کسی عمل کے ثواب کی منتقلی۔ اگر دعا کو ایصال ثواب قرار دیا جائے تو پھر بددعا کو بھی ایصالِ عذاب ماننا پڑے گا، جب کہ اس کا قائل کوئی نہیں۔ کافروں کے لئے ہدایت کی دعا کی جاتی ہے تو کیا یہ ایصالِ ثواب ہے؟ اور دعا تو زندہ لوگوں کے لئے بھی کی جاتی ہے پھر کیا ایصالِ ثواب بھی زندوں کے لئے کیا جائے گا؟

۷۔ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا مَاتَ الْاِنْسانُ انْقَطَعَ عَنْهُ عَمَلُهٗ اِلَّا مِنْ ثَلَاثَةٍ مِنْ صَدَقَةٍ جَارِيَةٍ اَوْ عِلْمٍ يُنْتَفَعُ بِهٖ وَوَلَدٍ صَالِحٍ يَدْعُوْ لَهٗ۔ (مسلم کتاب الوصیۃ)

''جب انسان مرجاتا ہے تو اس کا عمل موقوف ہوجاتا ہے بجز تین چیزوں کے۔ ایک صدقۂ جاریہ دوسرا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھائیں اور تیسرے نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔''

یہ تینوں چیزیں وہ ہیں جن میں انسان کے اپنے عمل کا دخل ہے۔ صدقۂ جاریہ تو وقف کی صورت میں اسی کا مال ہے، مفید کتابوں کی تصنیف اور اس قسم کی دوسری علمی خدمات بھی اسی کا عمل ہے جس سے لوگ اس کے مرنے کے بعد بھی فیضیاب ہوتے ہیں اور نیک اولاد کا دعا کرنا اس کے حق میں باعثِ اجر ہے کہ اس نے ان کو دین سکھایا تھا اور ان کی صحیح تربیت کی تھی۔ اس حدیث میں ایصال ثواب کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اگر اس کی کوئی حقیقت ہوتی تو اس کا بھی اس میں ذکر ہوتا۔

۸) جو امور خالص تعبدی نوعیت کے ہیں ان میں قیاس اور اجتہاد کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور ثواب کا تعلق چونکہ تعبدی امور سے ہے اس لئے ثواب پہنچانے کا مسئلہ محل اجتہاد نہیں ہے۔

ان وجوہ سے ہم سمجھتے ہیں کہ جس عمل میں انسان کی اپنی نیت اور اس کی کوشش کا کوئی دخل نہ ہو بلکہ وہ دوسرے کا عمل ہو تو اس کا ثواب اس کو نہیں بخشا جاسکتا۔ قرآن و سنت میں کسی کے عمل کا ثواب کسی کو بخشنے کے لئے کوئی دلیل نہیں ہے۔ مگر موجودہ زمانہ میں ایصالِ ثواب کے تصور نے کتنی ہی بدعتوں کو رائج کردیا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ان لوگوں کے پاس ثواب کا اتنا ذخیرہ کہاں سے آگیا کہ انہوں نے دوسروں کو تقسیم کرنا شروع کردیا اور خاص طور سے ان بزرگوں اور اولیاء کو جن کے بارے میں وہ پہلے ہی سے اس بات کے دعویدار ہیں کہ وہ جنتی ہیں۔ اگر ان لوگوں میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا تو وہ خود اپنی نجات کی فکر کرتے اور اپنے نیک اعمال کے بارے میں کبھی یہ خیال نہ کرتے کہ وہ زیادہ (Surplus) ہوگئے ہیں لہٰذا اپنی بعض نیکیوں کا ثواب وہ دوسروں کو الاٹ کرتے پھریں۔ ایصال ثواب پر مزید بحث کے لئے دیکھئے سورۂ نجم نوٹ ۴۸۔

۷۲۔ یعنی قیامت کب آئے گی اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اس کے سوا کوئی نہیں جس کو اس کی خبر ہو اس لئے اللہ کا رسول بھی اس کا وقت نہیں بتاسکتا۔

۷۳۔ یعنی جس طرح پھل شگوفے کے غلاف کو پھاڑ کر نکل آتا ہے اور جس طرح حاملہ بچہ جنتی ہے اسی طرح قیامت بھی دنیا کے خول کو پھاڑ کر نمودار ہوگی اور اس کائنات کے بطن سے ظاہر ہوگی اور جس طرح یہ بات اللہ ہی کے علم میں ہوتی ہے کہ پھل کب وجود میں آئے گا اور کون سی عورت کب حاملہ ہوگی اور کب بچہ جنے گی اسی طرح قیامت کے ظہور کا علم بھی اللہ ہی کو ہے وہ ٹھیک اپنے وقت پر ظاہر ہوگی۔

۷۴۔ یعنی خدائی میں جو شریک تم نے ٹھہرا رکھے تھے وہ کہاں ہیں؟

۷۵۔ یعنی آج ہم میں سے کوئی بھی اس کا دعویدار نہیں ہے کہ اللہ کا اس کے خدائی معاملات میں کوئی شریک ہے۔

۷۶۔ یعنی جن جن کو انہوں نے خدا سمجھ رکھا تھا اور جن جن کی پرستش وہ کرتے تھے ان میں سے کوئی بھی ان کی مدد کو نہیں پہنچ سکے گا۔ سب ہوا ہو جائیں گے۔

۷۷۔ یعنی عام طور سے انسان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے رب سے دنیوی نعمتیں مانگتا ہی رہتا ہے۔ اور اپنے لئے راحت اور خوشحالی کا زیادہ سے زیادہ خواہاں ہوتا ہے۔ مال و دولت اور سامانِ دنیا میں اضافہ کیلئے دعا کرتے ہوئے کبھی نہیں تھکتا لیکن جب کوئی تکلیف پہنچتی ہے یا مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر بجائے اس کے کہ اللہ کے حضور گڑگڑا کر دعا کرتا رہے اور دعا کی قبولیت میں تاخیر کی وجہ سے تھک ہار کر بیٹھ نہ جائے، بہت جلد مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے اور دل شکستہ ہونے کے آثار اس پر ظاہر ہونے لگتے ہیں۔

۷۸۔ یعنی انسان کا یہ حال بھی عجیب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس کی تکلیف کو دور کر کے اس کی راحت کا سامان کرتا ہے تو وہ اسے اللہ کا احسان نہیں سمجھتا اور نہ اسے سامانِ آزمائش خیال کرتا ہے بلکہ اسے اپنی قابلیت کا غرہ ہوتا ہے اور سمجھتا ہے کہ میں تو اس کا بجا طور پر مستحق ہوں قیامت کے بارے میں وہ سمجھتا ہے کہ اوّل تو وہ قائم ہوگی نہیں اور اگر ہوئی تو میرے رب کے پاس بھی مجھے نعمتیں ہی ملیں گی۔ مطلب یہ کہ کتنے ہی لوگ اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ جب دنیا میں مال و اسباب کی فراوانی انہیں حاصل ہوگئی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ قیامت کے دن، اگر وہ قائم ہو ہی گئی تو انہیں یہ فراوانی حاصل نہیں ہوگی۔ وہ جس طرح دنیا میں آباد رہے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی آباد رہیں گے۔ مگر قیامت کا ایک جھٹکا ہی ان کی اس خوش فہمی کو چور چور کر کے رکھ دے گا۔

۷۹۔ یعنی کیسا قدر ناشناس ہے انسان کہ جب اللہ تعالیٰ اس پر نوازشیں کرتا ہے تو اپنے رب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس سے عملاً بے تعلق ہو جاتا ہے۔ لیکن مصیبت میں خدا ضرور یاد آجاتا ہے اور لمبی چوڑی دعائیں کرنے لگتا ہے۔

واضح رہے کہ ان آیتوں میں انسان کے مختلف کردار پیش کئے گئے ہیں۔ اپنے رب کے تعلق سے کسی کا ایک کردار ہوتا ہے تو کسی کا دوسرا اور کسی کا اس سے بھی مختلف۔

عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق (اطرافِ عالم) میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس (ذات) میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ، یہ حق ہے۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔ (القرآن)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ثُمَّ كَفَرْتُمْ بِهٖ مَنْ
اَضَلُّ مِمَّنْ هُوَ فِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۲﴾

۵۲ کہو تم نے یہ بھی سوچا کہ اگر یہ اللہ کی طرف سے ہوا اور تم نے اس کا انکار کیا، تو اس شخص سے بڑھ کر گمراہ اور کون ہو گا جو مخالفت میں دور تک نکل گیا ہو ۸۰ ۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ
اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۵۳﴾

۵۳ عنقریب ہم ان کو اپنی نشانیاں آفاق (اطرافِ عالم) میں بھی دکھائیں گے اور ان کے اپنے نفس (ذات) میں بھی، یہاں تک کہ ان پر یہ بات کھل جائے گی کہ، یہ حق ہے ۸۱ ۔ کیا یہ بات کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب ہر چیز کا شاہد ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآءِ رَبِّهِمْ ؕ اَلَآ اِنَّهٗ بِكُلِّ
شَيْءٍ مُّحِيْطٌ ﴿۵۴﴾

۵۴ سنو! یہ لوگ اپنے رب کے حضور پیشی کے بارے میں شک میں ہیں۔ سن لو! وہ ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ۸۲ ۔

۸۰۔ یعنی قرآن کی مخالفت میں اتنی دور نہ نکل جاؤ کہ امکان کی حد تک بھی اس پر غور کرنے کیلئے تیار نہ ہو جاؤ کہ یہ اگر اللہ کی کتاب ہوئی تو پھر اس کا انکار ہمیں کتنا مہنگا پڑے گا۔ہم اللہ کے حضور اس کے کلام کو رد کرنے کا کیا جواز پیش کرسکیں گے۔اور پھر اس انکار کی ہمیں کیسی سخت سزا بھگتنا ہوگی۔ لہٰذا دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ سنجیدگی سے اس بات پر غور کیا جائے کہ واقعی یہ اللہ کا کلام ہے یا نہیں۔

۸۱۔ یہ بہت بڑی پیشین گوئی ہے جو قرآن نے کی ہے کہ اس کی صداقت کی نشانیاں دنیا کے آفاق پر بھی ظاہر ہوں گی اور انسانی نفوس میں بھی۔ اور واقعہ یہ ہے کہ کچھ ہی عرصہ بعد منکرینِ قرآن نے دیکھ لیا کہ قرآن نے رسول اور اس پر ایمان لانے والوں کے حق میں نصرتِ الٰہی کی جو پیشین گوئی کی تھی وہ پوری ہوئی۔اسلام کو غلبہ و اقتدار حاصل ہوا، قرآن کی روشنی میں چلنے والوں کی پاکیزہ زندگیوں کو دیکھ کر لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ نہ شاعرانہ کلام ہے اور نہ دیوان پن کی باتیں ہیں اور نہ ہی جادوگری۔قومیں حلقہ بگوشِ اسلام ہوتی چلی گئیں اور جو کٹر کافر تھے ان کا حشر اس دنیا ہی میں بہت بُرا ہوا۔مگر آیت کا مفہوم اس حد تک محدود نہیں اس کی صداقت کی نشانیاں قیامت تک ظاہر ہوتی رہیں گی۔

ماضی میں قرآن کی کتنی ہی باتیں انسان کو عجیب معلوم ہوتی تھیں مگر موجودہ دور میں انسان نے ایسی حیرت انگیز چیزیں ایجاد کر لی ہیں کہ قرآن کی کوئی بات بھی عجیب نہیں رہی۔قرآن نے کہا تھا قیامت کے دن انسان کے اعمال تولے جائیں گے۔بظاہر یہ بات عجیب معلوم ہو رہی تھی لیکن موجودہ دور میں انسان نے حرارت پیما اور زلزلہ پیما جیسے آلات ایجاد کر کے اس بات کا ثبوت فراہم کر دیا ہے کہ کیفیتیں بھی ناپی اور تولی جاسکتی ہیں۔قرآن نے کہا تھا ہر ہر شخص کے اعمال کا ریکارڈ تیار کیا جا رہا ہے جس میں کوئی بات بھی خواہ چھوٹی ہو یا بڑی درج ہونے سے نہیں رہتی۔اس بات کو بھی باور کرنا اس زمانہ کے انسان کے لئے مشکل تھا مگر مائکروفلم (Micro-film) کی ایجاد نے اس مسئلہ کو حل کر دیا۔قرآن نے کہا تھا انسان کے ہاتھ پاؤں اور اس کی جلدیں (کھالیں) قیامت کے دن بول اٹھیں گی اور اس کے اعمال کی گواہی دیں گی۔لوگوں کے لئے یہ بھی حیرت و استعجاب کی بات تھی مگر بولتی فلموں اور ویڈیو کیسٹ کی ایجاد نے ظاہر کر دیا ہے کہ یہ سب کچھ ممکن ہے۔

قرآن نے کہا تھا سورج، چاند اور ستارے دیوتا نہیں ہیں بلکہ اللہ کے پیدا کردہ ہیں جن کو خاص خدمت میں لگا دیا گیا ہے۔ماضی کے وہم پرست لوگ اس حقیقت کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے لیکن سائنس کے انکشافات نے ان سب کی اصلیت ظاہر کر دی۔اب انسان کو معلوم ہو گیا کہ سورج میں کیا مادّے پائے جاتے ہیں یہاں تک کہ اس نے اس کا درجہ حرارت بھی معلوم کر لیا ہے اور یہ بھی کہ اس کی حرارت کس طرح زمین تک پہنچتی ہے۔ستارے اور سیارے کس چیز سے بنے ہیں اور وہ کیوں روشنی دیتے ہیں اس کی بھی کھوج لگا کر انسان نے اپنی معلومات میں زبردست اضافہ کر لیا ہے اور چاند پر انسان نے پہنچ کر اس کا عینی مشاہدہ کر لیا کہ یہ مٹی اور پتھر ہی سے بنا ہوا ہے۔یہاں تک کہ وہاں کی مٹی زمین پر اپنے ساتھ لے آیا تاکہ دوسرے لوگ بھی اس کا مشاہدہ کریں۔کیا یہ سب آفاق میں ظاہر ہونے والی اللہ کی نشانیاں نہیں ہیں اور کیا ان باتوں سے مشرکانہ عقائد کی تردید نہیں ہوتی، اور خدائے واحد کی قدرت کاملہ اور اس کے فرمانروائے کائنات ہونے کا ثبوت نہیں ملتا؟

اسی طرح انسانی نفوس میں بھی وہ نشانیاں ظاہر ہوگئی ہیں جو توحید اور معاد (دوسری زندگی) پر واضح طور دلالت کرتی ہیں۔علم الحیات (Biology) اور علم الجنین (Embroyology) نے انسان کی تخلیق کے بارے میں وہ انکشافات کئے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔مثال کے طور پر مرد کے مادۂ تولید میں جرثومۂ حیات (Spermatozoa) کا وجود اور عورت کے مادۂ تولید کا بیضہ (Ovum) کی شکل میں ہونا اور دونوں کے ملاپ سے جنین (بچہ) کی تخلیق کا آغاز ہونا پھر اس جرثومہ اور اسی بیضۂ انثی میں جن کو خوردبین کی مدد ہی سے دیکھا جاسکتا ہے موروثی خصوصیات (Chromosomes) کا موجود ہونا ایک خالق کی خلاقیت کا کتنا زبردست ثبوت ہے۔اس کی قدرت اور ربوبیت کی ان کرشمہ سازیوں کو دیکھتے ہوئے دوسری زندگی کا یقین پیدا

ہو جاتا ہے جس کی خبر قرآن دے رہا ہے۔

اس طرح قرآن کی ایک ایک بات علم کی کسوٹی پر پوری اتر رہی ہے اور اس کی صداقت اور زیادہ روشن ہوتی جا رہی ہے۔ قرآن کی کچھ پیشین گوئیاں ایسی بھی ہیں جو اپنی تعبیر کے لئے وقت کی منتظر ہیں مثلاً یاجوج ماجوج کی یلغار (سورۂ انبیاء آیت ۹۶) اور دابۃ الارض (زمین سے ایک عجیب وغریب جانور) کا خروج جو انسان سے باتیں کرے گا۔ (سورہ نمل آیت ۸۲) وغیرہ۔ ان نشانیوں کو قیامت کے قریبی زمانہ میں پیدا ہونے والی نسلیں ہی دیکھ سکیں گی۔

۸۲۔ ان تمام نشانیوں کے باوجود جن کا ذکر اوپر ہوا، آج بھی اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے حضور پیشی کے بارے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا میں من مانی کرنے کے لئے انہیں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے حالانکہ وہ ہستی جس نے انہیں پیدا کیا ہے محیط کل ہے۔ اس کے علم اور اس کے قابو سے کوئی چیز بھی باہر نہیں اس لئے اس کے بندوں کی اس کے حضور پیشی لازمی ہے۔ وہ اس سے کسی طرح بچ نہیں سکتے۔